سورۃ فصلت

آیاتہا ۵۴ ۔ ۴۱ سورۃ حٰمٓ السجدۃ مکیۃ ۶۱ ۔ رکوعاتہا ۶

تمام علماء کے نزدیک یہ سورت مکی ہے اس کی چون آیات ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی پچپن آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

حٰمٓ ۚ﴿۱﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۚ﴿۲﴾ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۙ﴿۳﴾ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۴﴾ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْۤ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَيْهِ وَفِيْۤ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ﴿۵﴾

"حا۔میم۔ اتارا گیا (یہ قرآن) رحمٰن و رحیم خدا کی طرف سے۔ یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں تفصیل سے بیان کردی گئی ہیں یہ قرآن عربی زبان میں ہے یہ ان لوگوں کے لیے ہے جو علم و فہم رکھتے ہیں یہ مژدہ سنانے والا (ہر وقت) خبردار کرنے والا ہے بایں ہمہ منہ پھیر لیا ان میں سے اکثر نے پس وہ اسے قبول نہیں کرتے۔ اور (ان ہٹ دھرموں) نے کہا کہ ہمارے دل غلافوں میں (لپٹے ہوئے) ہیں اس بات سے جس کی طرف آپ ہمیں بلاتے ہیں اور ہمارے کانوں میں گرانی ہے اور ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان ایک حجاب ہے تم اپنا کام کرو ہم اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں"۔

حٰمٓ ۚ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۚ زجاج نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ اس کا رفع ھذا کے مضمر ہونے کی بنا پر ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ کہا جائے کِتٰبٌ یہ تَنْزِيْلٌ سے بدل ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ تَنْزِيْلٌ کی صفت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حٰمٓ کی تقدیر یہ ہے ھذہ حم جس طرح تو کہتا ہے: باب کذا اصل میں ھو باب کذا تھا پس حم یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اصل میں یہ ھو حم تھا تَنْزِيْلٌ دوسرا مبتدا ہے اور کِتٰبٌ اس کی خبر ہے فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ یعنی ان کی وضاحت و تفسیر بیان کردی گئی ہے۔ قتادہ نے کہا: معنی ہے اس کے حرام سے اس کے حلال کو اور اس کی معصیت سے اس کی اطاعت کو واضح کردیا گیا ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وعدہ اور وعید کو بیان کردیا گیا۔ سفیان نے کہا: ثواب اور عقاب کو بیان کردیا گیا ہے(1)۔ اسے فَصَلت بھی پڑھا گیا ہے یعنی ان آیات نے حق اور باطل میں فرق کردیا ہے یا ان آیات میں سے بعض اپنے معانی میں اختلاف کی وجہ سے دوسری آیات سے مختلف ہیں۔ تیسرا قول فصل من البلد سے مشتق ہے یعنی وہ ملک سے دور ہے۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 167

قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا اس کے منصوب ہونے کی کئی وجوہ ہیں: اخفش نے کہا: یہ مدح کی حیثیت میں منصوب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فعل کے مضمر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یعنی اذکر قرآنا عربیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دوبارہ وہی فعل ہے یعنی فصلنا قرآنا عربیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے، یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے یعنی آیات کو کھول کر بیان کیا گیا ہے اس حال میں کہ وہ قرآن عربی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب فصلت کا فعل آیات کے ساتھ مشغول ہو گیا یہاں تک کہ وہ نائب فاعل ہو گیا تو قُرْاٰنًا اس کا بیان ہونے کی حیثیت سے منصوب ہو گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اسے منصوب اس لیے پڑھا گیا ہے کہ اسے ماقبل کلام سے الگ کیا گیا ہے۔

لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ۝ ضحاک نے کہا: قرآن اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل ہوا ہے۔ مجاہد نے کہا: وہ جانتے ہیں کہ تورات اور انجیل میں وہ ایک الٰہ ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ لغت عربی کو جانتے ہیں اور وہ اس کی مثل لانے سے عاجز ہیں اگر یہ عربی زبان میں نہ ہوتا تو اسے نہ جانتے۔

میں کہتا ہوں: یہ صحیح ترین ہے یہ قریش کو عاجز کرنے اور انہیں شرمندہ کرنے کے لیے ہے کہ قرآن معجزہ ہے بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا یہ دونوں الآیات سے حال ہیں اور اس میں عامل فصلت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ دونوں قرآن کی لغتیں ہیں بَشِيْرًا یہ اولیاء اللہ کے لیے ہے اور نَذِيْرًا یہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے لیے ہے اسے بشیر و نذیر بھی پڑھا گیا ہے یہ کتاب کی صفت ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ۝ یعنی اکثر اہل مکہ نے اعراض کیا تو ایسا سننا نہیں سنتے کہ وہ اس سے نفع اٹھائیں۔

روایت کیا گیا ہے کہ ریان بن حرملہ نے کہا کہ قریش کے سرداروں اور ابوجہل نے کہا: ہم پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ ملتبس ہو گیا ہے اگر تم کوئی ایسا آدمی تلاش کرتے جو شعر، کہانت اور جادو کو جانتا ہوتا وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کرے پھر اس کے معاملہ کی ہمارے سامنے وضاحت کرے (2)۔ عتبہ بن ربیعہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے کہانت، شعر اور جادو کو سنا ہے میں اس کے بارے میں اتنا علم رکھتا ہوں اگر معاملہ ایسا ہوا تو مجھ سے مخفی نہیں رہے گا، انہوں نے کہا: ان کے پاس جاؤ اور ان سے بات کرو۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کی: اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم تو بہتر ہے یا قصی بن کلاب؟ تو بہتر ہے یا ہاشم؟ تو بہتر ہے یا عبد المطلب؟ تو بہتر ہے یا عبد اللہ؟ تو کس وجہ سے ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتا ہے؟ ہمارے آباء کو گمراہ قرار دیتا ہے؟ ہمارے دانشمند لوگوں کو بے وقوف قرار دیتا ہے؟ اور ہمارے دین کی مذمت کرتا ہے؟ اگر تو ریاست چاہتا ہے تو ہم اپنے سارے جھنڈے تیرے سپرد کر دیتے ہیں جب تک تو زندہ رہے گا تو ہمارا سردار ہوگا، اگر تو شادی کا ارادہ رکھتا ہے تو ہم قریش کی بچیوں میں سے دس عورتوں سے تیری شادی کر دیتے ہیں جن سے تو چاہتا ہے، اگر تو مال کی خواہش رکھتا ہے تو ہم تیرے لیے مال جمع کر دیتے ہیں جس سے تو اور تیرے بعد والے غنی ہو جائیں گے، اگر یہ سب کچھ جن کے سایہ کی وجہ سے ہے جو تجھ پر غالب آ چکا ہے تو ہم تیرا علاج کروانے کے لیے اپنے اموال خرچ کرتے ہیں یہاں تک کہ ہم تیرے

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 168   2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 61-60

بارے میں اس پر غالب آجائیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ جب وہ گفتگو سے فارغ ہوا فرمایا: ''اے ابو ولید! تو
فارغ ہو گیا ہے؟'' اس نے کہا: ہاں۔ فرمایا: ''اے بھتیجے سنتا ہے؟ اس نے کہا: سنتا ہوں۔ پڑھا بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ
تَنۡزِيۡلٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝٢ كِتٰبٌ فُصِّلَتۡ اٰيٰتُهٗ قُرۡاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ۝٣ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا ۚ فَاَعۡرَضَ اَكۡثَرُهُمۡ
فَهُمۡ لَا يَسۡمَعُوۡنَ ۝٤ وَقَالُوۡا قُلُوۡبُنَا فِيۡۤ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدۡعُوۡنَاۤ اِلَيۡهِ وَفِيۡۤ اٰذَانِنَا وَقۡرٌ وَّمِنۡۢ بَيۡنِنَا وَبَيۡنِكَ حِجَابٌ فَاعۡمَلۡ اِنَّنَا
عٰمِلُوۡنَ ۝٥ قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ يُوۡحٰۤى اِلَىَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسۡتَقِيۡمُوۡۤا اِلَيۡهِ وَاسۡتَغۡفِرُوۡهُ ؕ وَوَيۡلٌ
لِّلۡمُشۡرِكِيۡنَ ۝٦ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَهُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ كٰفِرُوۡنَ ۝٧ اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمۡ اَجۡرٌ
غَيۡرُ مَمۡنُوۡنٍ ۝٨ قُلۡ اَئِنَّكُمۡ لَتَكۡفُرُوۡنَ بِالَّذِىۡ خَلَقَ الۡاَرۡضَ فِىۡ يَوۡمَيۡنِ وَتَجۡعَلُوۡنَ لَهٗۤ اَنۡدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝٩ وَ
جَعَلَ فِيۡهَا رَوَاسِىَ مِنۡ فَوۡقِهَا وَبٰرَكَ فِيۡهَا وَقَدَّرَ فِيۡهَاۤ اَقۡوَاتَهَا فِىۡۤ اَرۡبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيۡنَ ۝١٠ ثُمَّ اسۡتَوٰۤى اِلَى
السَّمَآءِ وَهِىَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلۡاَرۡضِ ائۡتِيَا طَوۡعًا اَوۡ كَرۡهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَيۡنَا طَآئِعِيۡنَ ۝١١ فَقَضٰهُنَّ سَبۡعَ سَمٰوَاتٍ فِىۡ
يَوۡمَيۡنِ وَاَوۡحٰى فِىۡ كُلِّ سَمَآءٍ اَمۡرَهَا ؕ وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡيَا بِمَصَابِيۡحَ ۖ وَحِفۡظًا ؕ ذٰلِكَ تَقۡدِيۡرُ الۡعَزِيۡزِ الۡعَلِيۡمِ ۝١٢ فَاِنۡ
اَعۡرَضُوۡا فَقُلۡ اَنۡذَرۡتُكُمۡ صٰعِقَةً مِّثۡلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوۡدَ ۝١٣ تو عتبہ اچھل پڑا اور اپنا ہاتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ پر رکھ دیا
اور آپ کو اللہ اور رشتہ داری کا واسطہ دیا کہ وہ خاموش ہو جائیں، وہ گھر لوٹ آیا اور قریش کے پاس نہ گیا۔ ابو جہل اس کے پاس
آیا پوچھا: کیا تو نے محمد کا دین قبول کر لیا ہے؟ یا اس کا کھانا تجھے اچھا لگا ہے؟ تو عتبہ غضبناک ہو گیا اور قسم اٹھائی کہ وہ محمد سے کبھی
بھی ملاقات نہیں کرے گا پھر کہا: اللہ کی قسم! تم جانتے ہو میں قریش سے سب سے زیادہ مالدار ہوں لیکن جب میں نے اس پر
واقعہ بیان کیا تو انہوں نے مجھے ایسا جواب دیا اللہ کی قسم! وہ شعر نہیں، نہ کہانت ہے اور نہ ہی جادو ہے، پھر اس نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سنا تھا وہ اس پر تلاوت کیا صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوۡدَ ۝١٣ تو میں نے اس کا منہ روکا اور رشتہ داری کا واسطہ دیا کہ وہ رک
جائے۔ تم خوب جانتے ہو کہ جب وہ کچھ کہتا ہے تو جھوٹ نہیں بولتا، اللہ کی قسم! مجھے ڈر ہے کہ تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہو گا
جتنی صاعقہ نازل ہو گا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا حم فصلت یہاں تک کہ آیت سجدہ تک پہنچے تو سجدہ کیا جبکہ عتبہ توجہ سے سن
رہا تھا اس نے پشت کے پیچھے سے ہاتھوں پر سہارا لیا ہوا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قراءت کو ختم کیا تو اسے کہا: ابو ولید! تو
نے وہ سن لیا ہے جو میں نے تجھ پر پڑھا ہے اب تو جو چاہے کر۔ عتبہ قریش کی مجلس میں ان کے پاس گیا انہوں نے کہا: اللہ کی
قسم! ابو ولید تمہارے پاس اس چہرے سے آ رہا ہے جس چہرے سے گیا نہیں تھا پھر انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! ابو ولید کیا چھوڑ
آئے ہو؟ اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں محمد سے ایسا کلام سن آیا ہوں جیسا کلام میں نے کبھی بھی کسی سے نہیں سنا تھا، اللہ کی قسم! وہ
شعر نہیں اور نہ ہی وہ کہانت ہے اس مسئلہ میں میری اطاعت کرو اور میرے کہنے پر اس کے ساتھ معاملہ کرو محمد اور اس کے
معاملہ کو چھوڑ دو اس سے الگ تھلگ ہو جاؤ اللہ کی قسم! میں نے جو اس کا کلام سنا ہے اس کی شان ہے اگر عرب اس تک رسائی
حاصل کر لیں تو تم غیروں کے ہاتھوں اسے کافی ہو گے اگر وہ بادشاہ یا نبی ہو تو تم اس کی وجہ سے سب سے زیادہ سعادت مند ہو
کیونکہ اس کا ملک تمہارا ملک ہے، اس کا شرف تمہارا شرف ہے انہوں نے کہا: دور ہو جا اے ابو ولید! محمد نے تجھ پر جادو کر دیا

ہے۔ ابو ولید نے کہا: یہ میری رائے ہے تم جو چاہو کرو۔

وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْۤ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَيْهِ، اکنه، کنان کی جمع ہے جس کا معنی ڈھکنا ہے۔ سورۂ بقرہ میں یہ بحث پہلے گزر چکی ہے: مجاہد نے کہا: کنان دل کے لیے اسی طرح ہوتا ہے جس طرح تیر کے لیے جنہ (جو تیر پر چڑھا دیا جائے) ہوتا ہے(1)۔

وَ فِيْۤ اٰذَانِنَا وَقْرٌ ہمارے کانوں میں گرانی ہے، تیرا کلام ہمارے کانوں میں داخل نہیں ہوتا، ہمارے دل فہم سے پردہ میں ہیں وَّ مِنْۢ بَيْنِنَا وَ بَيْنِكَ حِجَابٌ ہمارے اور تمہارے درمیان حجاب ہے یعنی دین میں اختلاف ہے کیونکہ وہ بتوں کی عبادت کیا کرتے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے، یہ معنی فراء اور دوسرے علماء نے کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایسا پردہ جو قبول کرنے کے مانع ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ابوجہل نے اپنا سر کپڑے سے ڈھانپا اور کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے اور تیرے درمیان پردہ ہے، یہ بات اس نے مذاق کے انداز میں کی؛ یہ بات نقاش نے کی اور زمخشری نے اسے ذکر کیا۔ یہاں حجاب سے مراد کپڑا ہے۔

فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ۝ یعنی ہماری ہلاکت کا اہتمام کرو ہم تیری ہلاکت کا اہتمام کرنے والے ہیں(2)؛ یہ کلبی کا قول ہے۔ مقاتل نے کہا: تو اپنے اس الٰہ کے لیے سرگرم عمل رہ جس نے تجھے بھیجا ہے اور ہم اپنے معبودوں کے لیے کام کرتے رہیں گے جس کی ہم عبادت کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تیرا دین جو تقاضا کرتا ہے وہ کر اور ہم وہ کریں گے جو ہمارا دین تقاضا کرے گا۔ پانچویں قول کا بھی احتمال ہے اپنی آخرت کے لیے کام کرو ہم اپنی دنیا کے لیے کام کریں گے(3)؛ یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے۔

قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْۤا اِلَيْهِ وَ اسْتَغْفِرُوْهُ ؕ وَ وَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ۝ۙ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ۝۠

”آپ فرمائیے: میں انسان ہی ہوں (بظاہر) تمہاری مانند البتہ وحی کی جاتی ہے میری طرف کہ تمہارا معبود خداوند یکتا ہی ہے پس متوجہ ہو جاؤ اس کی طرف اور مغفرت طلب کرو اس سے، اور ہلاکت ہے مشرکوں کے لیے جو زکوۃ نہیں دیتے، اور وہ آخرت کے منکر ہیں بے شک وہ لوگ جو ایمان لے آئے اور جنہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے ایسا اجر ہے جو منقطع نہ ہوگا“۔

قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ میں بادشاہ نہیں بلکہ میں انسان ہوں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو تواضع کی تعلیم دی يُوْحٰۤى اِلَيَّ یعنی فرشتوں کے ذریعے آسمانوں سے مجھ پر وحی کی جاتی ہے(4)۔

اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ تمہارا معبود ایک ہے اس پر ایمان لاؤ اور دعا کرتے وقت اور سوال کرتے وقت اس کی طرف متوجہ ہو وَ اسْتَغْفِرُوْهُ اپنے شرک پر مغفرت طلب کرو۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 241 2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 168 3۔ ایضاً 4۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 412

وَوَیۡلٌ لِّلۡمُشۡرِکِیۡنَ ۙ﴿۶﴾ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی شہادت نہیں دیتے یہ نفس کی زکوۃ ہے۔ قتادہ نے کہا: وہ زکوۃ کے فرض ہونے کا اقرار نہیں کرتے۔ ضحاک اور مقاتل نے کہا: وہ صدقہ نہیں کرتے اور اطاعت میں خرچ نہیں کرتے انہیں بخل پر شرم دلائی گئی ہے جس سے صاحب فضل لوگ نفرت کرتے ہیں۔ اس میں یہ دلالت موجود ہے کہ کافر کو اس کے کفر پر عذاب دیا جائیگا۔

فراء اور دوسرے علماء نے کہا: مشرک مال خرچ کرتے، حاجیوں کو پانی پلاتے، انہیں کھانا کھلایا کرتے تو وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے ان پر ان چیزوں کو مشرکین نے حرام کر دیا تو ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

وَهُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ كٰفِرُوۡنَ ۞ وہ آخرت کا انکار کرتے ہیں اس وجہ سے وہ اطاعت میں خرچ نہیں کرتے اور نہ ہی گناہوں پر بخشش طلب کرتے ہیں۔

زمخشری نے کہا: اگر تو یہ سوال کرے کہ مشرکین کے اوصاف میں سے زکوۃ کا انکار آخرت کے انکار کے ساتھ کیوں ملایا گیا ہے (1)؟ میں اس کا جواب دوں گا: انسان کو سب سے محبوب چیز اس کا مال ہوا کرتی ہے مال اس کی روح کا جزو اس ہے جب انسان اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے تو یہ اس کے ثابت قدم ہونے، اس کی استقامت، صدق نیت اور خلوص عمل پر دلیل ہے کیا تو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں دیکھتا: وَمَثَلُ الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمُ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰهِ وَتَثۡبِیۡتًا مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ (البقرۃ: 256) اپنے نفسوں کو ثابت رکھتے ہیں اور اپنے مال خرچ کر کے اس کے ثبات پر دلائل قائم کرتے ہیں مولفہ قلوب (وہ کفار جن کو زکوۃ کا مال تالیف قلوب کے لیے دیا جاتا تھا) ان کے ساتھ تھوڑے سے دنیاوی مال پر تدبیر کی گئی جس سے ان کی رشتہ داری قومی ہوگئی اور ان کی طبیعتوں میں نرمی آگئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد مرتدین نے زکوۃ کے انکار کے لیے ہی باہم تعاون کیا تو انکے ساتھ جنگیں کی گئیں اور جہاد کیا گیا: اس میں مومنوں کو زکوۃ کی ادائیگی پر برانگیختہ کیا گیا ہے اور اس کے روکنے پر سخت ڈرایا گیا ہے کیونکہ زکوۃ روکنے کو مشرکین کی صفات قرار دیا گیا ہے اور آخرت کے انکار کے ساتھ اسے ملایا گیا ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمۡ اَجۡرٌ غَیۡرُ مَمۡنُوۡنٍ ۞ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے غَیۡرُ مَمۡنُوۡنٍ کا معنی غیر مقطوع کیا ہے وہ ختم نہ ہوگا یہ مننت الحبل سے ماخوذ ہے جب تو اس کو کاٹ دے اسی معنی میں ذی الاصبع کا شعر ہے:

إِنِّي لَعَمْرُكَ مَا بَابِي بِذِي غَلَقٍ   عَلَى الصَّدِيقِ وَلَا خَيْرِي بِمَمْنُونِ (2)

تیری زندگی کی قسم! میرا دروازہ دوست پر کبھی بند نہیں ہوا اور نہ میرا احسان ختم ہوا ہے۔

ایک اور شاعر نے کہا:

فَتَرَى خَلْفَهَا مِنَ الرَّجْعِ وَالوَقْعِ   مَنِينًا   كَأَنَّهُ   أَهْبَاءُ

منین سے مراد الغبار المنقطع الضعیف ہے۔

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 87-186   2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 169

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی مروی ہے(1)؛ مقاتل نے کہا: اس میں نقص نہیں ہوگا اسی سے منون کا لفظ ہے کیونکہ موت انسان کی قوت کو کمزور کر دیتی ہے۔ زہیر نے کہا:

فَضْل الجیاد علی الخیل البطاء فَلَا یُعْطِی بِذٰلِكَ مَمْنُونًا ولا نَزِقًا

جوہری نے کہا: اس کا معنی کاٹنا ہے۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: اس کا معنی نقص ہے اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ۔ لبید نے کہا:

غُبْسٌ كَوَاسِبُ لَا يُمَنُّ طَعَامُهَا

مجاہد نے کہا: اس کا کوئی حساب نہیں ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان پر کوئی احسان نہیں جتلایا جائیگا۔ سدی نے کہا: یہ آیت اپاہج، مریضوں اور بوڑھوں کے بارے میں نازل ہوئی جو اطاعت بجالانے سے کمزور ہوئے تو ان کے لیے اتنا اجر لکھا جاتا رہے گا جتنا اجر ان کے لیے اس وقت لکھا جاتا تھا جب وہ عمل کیا کرتے تھے۔

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَ تَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۚ﴿۹﴾ وَ جَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَ بٰرَكَ فِيْهَا وَ قَدَّرَ فِيْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِيْۤ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ﴿۱۰﴾ ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَ هِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ﴿۱۱﴾ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَ اَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖۗ وَ حِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۱۲﴾

"آپ ان سے پوچھیے: کیا تم لوگ انکار کرتے ہو اس ذات کا جس نے پیدا فرمایا زمین کو دو دن میں اور ٹھہراتے ہو اس کے لیے مدمقابل وہ تو رب العالمین ہے (اس کا مدمقابل کون ہو سکتا ہے)۔ اور اس نے ہی بنائے ہیں زمین میں گڑھے ہوئے پہاڑ جو اس کے اوپر (اٹھے ہوئے) ہیں اور اس نے بڑی برکتیں رکھی ہیں اس میں اور اندازہ سے مقرر کر دیں ہیں اس میں غذائیں (ہر نوع کے لیے) چار دنوں میں (ان کا حصول) یکساں ہے طلب گاروں کے لیے۔۔ پھر اس نے توجہ فرمائی آسمان کی طرف وہ اس وقت محض دھواں تھا پس فرمایا اسے اور زمین کو کہ آجاؤ تعمیل حکم اور ادائے فرائض کے لیے خوشی سے یا مجبوراً، دونوں نے عرض کی: ہم خوشی خوشی (دست بدستہ) حاضر ہیں۔ پس بنا دیا انہیں سات آسمان دو دنوں میں اور وحی فرمائی ہر آسمان میں اس کے حسب حال، اور ہم نے مزین کر دیا آسمان دنیا کو چراغوں سے اور اسے خوب محفوظ کر دیا، یہ سارا انتظام سب سے عالم سب کچھ جاننے والے (خدا کا) ہے"۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 169

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ، ائنکم دو ہمزوں کے ساتھ ہے دوسرا ہمزہ بین بین ہے اور دو ہمزوں کے درمیان الف ہے اس کا معنی شرمندہ کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو حکم دیا تا کہ انہیں شرمندہ کیا جائے اور ان کے فعل پر تعجب کا اظہار کیا جائے معنی ہے تم کیوں اللہ تعالیٰ کا انکار کرتے ہو جبکہ وہ آسمانوں اور زمین کا خالق ہے؟ یَوْمَیْنِ سے مراد اتوار اور سوموار ہے اَنْدَادًا کا معنی اضداد اور شریک ہیں وَ جَعَلَ فِیْهَا ها ضمیر سے مراد زمین ہے، رواسی سے مراد پہاڑ ہیں۔ وہب نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا تو اسے پانی پر پھیلا دیا جبریل امین سے فرمایا: اے جبریل! اسے ایک جگہ ٹھہرا دو حضرت جبریل امین اترے اسے ایک جگہ روکا تو ہوائیں حضرت جبریل امین پر غالب آگئیں عرض کی: اے میرے رب! تو خوب جانتا ہے میں تو اس میں مغلوب ہو گیا ہوں تو اللہ تعالیٰ نے اسے پہاڑوں کے ساتھ مضبوط کر دیا۔

وَ بٰرَكَ فِیْهَا یعنی اس زمین میں جو منافع پیدا کیے۔ سدی نے کہا: اس میں درخت اگائے وَ قَدَّرَ فِیْهَاۤ اَقْوَاتَهَا سدی اور حسن بصری نے کہا: اہل زمین کے رزق اور ان کے مصالح مقرر فرمائے (1)۔ قتادہ اور مجاہد نے کہا: اس میں نہریں، درخت اور چوپائے منگل اور بدھ کو پیدا فرمائے۔ عکرمہ اور ضحاک نے کہا: وَ قَدَّرَ فِیْهَاۤ اَقْوَاتَهَا سے مراد ہے اس میں اس کے مکینوں کے رزق اور جو لوگوں کی معیشت کے مناسب چیزیں تھیں وہ پیدا کیں یعنی تجارت، درخت اور منافع ایک شہر میں ایسی چیزیں پیدا کیں جو دوسرے شہر میں پیدا نہ کیں تا کہ بعض لوگ بعض لوگوں سے تجارت کریں اور ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف سفر کریں۔ عکرمہ نے کہا: یہاں تک کہ بعض ممالک ہیں وہ سونے کو نمک کے برابر خریدتے ہیں۔ مجاہد اور ضحاک نے کہا: وہ سابری (بڑھیا کھجور) سابور سے، بڑی چادریں ری سے اور دھاری دار چادریں یمن سے لیتے ہیں۔

فِیْۤ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ یعنی چار دنوں کی تکمیل میں، اس کی مثل ایک قائل کا قول ہے: خرجت من البصرة الی بغداد فی عشرة أیام والی الکوفة فی خمسة عشر یوما (2) یعنی پندرھویں دن کے مکمل ہونے پر میں کوفہ پہنچا؛ یہ معنی ابن انباری اور دوسرے علماء نے کیا ہے۔

سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ۝ حضرت حسن بصری نے کہا: معنی ہے مکمل چار دنوں میں (3)۔ فراء نے کہا: کلام میں تقدیم و تاخیر ہے معنی ہے اس نے ان میں ان کی روزیاں پیدا کیں جن کا حصول محتاجوں کے لیے یکساں ہے؛ یہ قول طبری نے پسند کیا ہے۔ حضرت حسن بصری اور یعقوب حضرمی نے پڑھا سواء للسائلین ابن قعقاع سے سواء مرفوع ہے نصب مفعول مطلق ہونے کے اعتبار سے ہے جو استواء کے معنی میں ہے یعنی استوت استواء۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حال ہونے کے اعتبار سے منصوب ہے جر، ایام یا اربعة کی صفت کے اعتبار سے ہے تقدیر کلام یہ ہے فی اربعة ایام مستویة تامة۔ رفع مبتدا کے اعتبار سے ہے اور خبر لِّلسَّآئِلِیْنَ ہے یا اس تقدیر کی بنا پر مرفوع ہے هذه سواء للسائلین۔ اہل معانی نے کہا: معنی ہے وہ سائلین اور غیر سائلین کے لیے برابر ہے یعنی زمین اور زمین میں جو کچھ ہے وہ برابر ہے اس کے لیے جو سوال کرے اور اس کے لیے جو سوال نہ کرے اور وہ عطا فرماتا ہے جو سوال کرے اور جو سوال نہ کرے۔

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 414 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 171 3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 414

ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَى السَّمَآءِ وَ هِیَ دُخَانٌ یعنی آسمان کی تخلیق کا ارادہ کیا اور اس کے درست کرنے کا قصد کیا۔ اکثر اقوال کے مطابق استواء افعال کی صفت ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ (البقرۃ:29) اس کے بارے میں بحث گذر چکی ہے۔ ابوصالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَى السَّمَآءِ یعنی اس کا امر آسمان کی طرف بلند ہوا؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ جس نے یہ کہا یہ صفۃ ذاتیہ زائدہ ہے اس نے کہا: ازل میں اپنی صفات کا قصد کیا ثم کا لفظ ذکر کیا تو آسمان کو دخان کی صفت سے حالت کثافت منتقل کیا یہ دھواں پانی کے سانس لینے سے پیدا ہوتا تھا جس طرح سورۂ بقرہ میں حضرت ابن مسعود اور دوسرے علماء سے منقول ہے۔

فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا یعنی میں نے تم دونوں سے جو منافع اور مصالح پیدا کیے تھے ان کو لے آؤ اور میری مخلوق کے لیے نکالو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آسمان سے فرمایا اپنے سورج، اپنے چاند اور اپنے ستاروں کو طلوع کرو اور اپنی ہوائیں اور بادل جاری کرو اور زمین سے فرمایا: اپنے دریاؤں کو جاری کرو، اپنے درخت اور پھلوں کو نکالو راضی ہو کر یا مجبور ہو کر۔ دونوں نے جواب دیا: ہم انہیں خوشی خوشی لے آئے ہیں۔ کلام میں حذف ہے تقدیر کلام یہ ہے أتینا أمرك، طَآىٕعِیْنَ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس امر سے مراد تسخیر ہے یعنی تم دونوں ہو جاؤ تو وہ ہو گئے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَاۤ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ۝ (النحل) اس تعبیر کی بنا پر یہ ارشاد اللہ تعالیٰ نے ان کی تخلیق سے پہلے کیا ان دونوں کو جو ارشاد فرمایا اس کی دو توجیہیں ہیں: (1) یہ ایسا قول ہے جس کا تکلم ہوا۔ (2) یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے قدرت ہے جو ان دونوں کے حق میں ظاہر ہوئی تو مقصد کو پانے میں یہ کلام کے قائم مقام ہو گئی؛ یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے۔ قَالَتَاۤ اَتَیْنَا طَآىٕعِیْنَ ۝ اس میں بھی دو توجیہیں ہیں: (1) جب انہوں نے اطاعت کی اور جواب دیا تو دونوں سے اطاعت ظاہر ہو گئی تو یہ اطاعت ان کے قول کے قائم مقام ہو گئی؛ اسی معنی میں راجز کا قول ہے:

امْتَلَأَ الْحَوْضُ وَقَالَ قَطْنِی مَهْلًا رُوَیْدًا قَدْ مَلَأْتُ بَطْنِی

حوض بھر گیا اور کہا: میرے لیے کافی ہے مہلت دو اور میں نے اپنا پیٹ بھر لیا ہے۔

یعنی اس میں یہ امر ظاہر ہو گیا ہے، اس نے قول نہیں کیا اکثر اہل علم لوگوں کی رائے ہے اللہ تعالیٰ نے دونوں میں کلام کو پیدا کیا تو دونوں نے اس طرح کلام کی جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا تھا۔ ابونصر سکسکی نے کہا: وہ کعبہ مشرفہ کی جگہ سے گویا ہوئی اور آسمان کی جو جگہ اس کے مقابل ہے وہ وہاں سے گویا ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنا حرم رکھ دیا(1)۔ فرمایا: طَآىٕعِیْنَ، طاعتین نہیں فرمایا، لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے اور نہ طائعات کہا معنی کا اعتبار کرتے ہوئے کیونکہ دونوں کئی آسمان اور زمینیں ہیں کیونکہ خبر ان دونوں میں جو کچھ ہے ان کے بارے میں دی جا رہی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب ان کی صفت قول اور جواب دینے سے لگائی گئی جو ذوالعقول کی صفات ہیں تو ضمیر میں بھی انہیں ذوی العقول کے قائم مقام رکھا گیا اسی کی مثل رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ ۝ (یوسف) یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔ حدیث طیبہ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 173

میں ہے: ''حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے رب! اگر میں آسمان اور زمین کو جب یہ کہوں: أتیا طوعا او کرھا تو وہ تیری نافرمانی کریں تو تو ان کے ساتھ کیا کرنے والا ہے؟ فرمایا: میں اپنے جانوروں میں سے ایک جانور کو حکم دوں گا تو وہ ان دونوں کو نگل جائے گا عرض کی: اے میرے رب! وہ دابہ (جانور) کہاں ہے؟ فرمایا: میری چراگاہوں میں سے ایک چراگاہ میں عرض کی: وہ چراگاہ کہاں ہے؟ فرمایا: میرے علم میں''۔ اسے ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، سعید بن جبیر اور عکرمہ نے آتیا مد اور فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اٰتَیْنَا طَآىِٕعِیْنَ معنی ہے تم دونوں اپنی جانب سے اطاعت پیش کرو۔ دونوں نے کہا: ہم نے خوشی خوشی اطاعت کی تو دونوں مفعول حذف کر دیئے گئے۔ اور یہ بھی جائز ہے اور یہ بہتر بھی ہے کہ آتینا فاعلنا کا وزن ہو تو ایک مفعول حذف کر دیا گیا۔ جس نے آتینا پڑھا ہے تو معنی ہوگا جو کچھ ہم میں تھا ہم اسے لے آئے جس طرح اس کی وضاحت کئی مقامات پر گزر چکی ہے۔ الحمد للہ۔

فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ انہیں مکمل کیا اور ان سے فارغ ہو گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: معنی ہے انہیں پختہ کیا جس طرح کہا:

وعلیهما مسرودتانِ قضاهُمَا داؤد　أوْ　صَنَعُ　السَّوابِغِ　تُبَّعُ

ان دونوں پر زرہیں ہیں جنہیں حضرت داؤد علیہ السلام نے پختہ بنایا ہے۔

فِیْ یَوْمَیْنِ ان چار ایام کے علاوہ جن میں زمین کو پیدا کیا پس آسمانوں اور زمین کی تخلیق چھ دنوں میں واقع ہوئی جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ (یونس: 3) جس طرح اس کی وضاحت سورۂ اعراف میں گزر چکی ہے۔ مجاہد نے کہا: ان چھ دنوں میں سے ایک دن ہزار سال کی طرح ہے جسے تم شمار کرتے ہو۔

حضرت عبد اللہ بن سلام سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو دنوں میں زمین کو پیدا کیا اور دو دنوں میں اس کی روزیوں کو پیدا کیا دو دنوں میں آسمانوں کو پیدا کیا، زمین کو اتوار اور سوموار میں پیدا کیا منگل اور بدھ میں اس کی روزیوں کو مقرر کیا، آسمانوں کو جمعرات اور جمعہ کو پیدا کیا اور جمعہ کے روز آخری ساعت میں جلدی میں حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اسی گھڑی میں قیامت برپا ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے جو جانور بھی پیدا کیا ہے وہ جمعہ کے دن سے ڈرتا ہے مگر انسان اور جن نہیں ڈرتے، علماء تفسیر کا یہی نقطہ نظر ہے مگر امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی جو حدیث روایت کی ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے زمین کو ہفتہ کے روز پیدا کیا (1)'' ہم نے اس کی سند کے بارے میں سورۃ الانعام میں گفتگو کی ہے۔

وَاَوْحٰى فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا قتادہ اور سدی نے کہا: اس میں اس کا سورج، اس کا چاند، اس کے ستارے اور افلاک پیدا کیے اور ہر آسمان میں اس کی مخلوق یعنی فرشتے اور اس میں اس کی مخلوق یعنی سمندر، اولوں اور برفوں کے پہاڑ پیدا کیے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ کہا: ہر آسمان میں اللہ تعالیٰ کا ایک گھر ہے جس کا فرشتے حج کرتے ہیں اور طواف کرتے ہیں یہ گھر کعبہ کے مقابلہ میں ہے جو گھر آسمان دنیا میں ہے وہ بیت معمور ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وَاَوْحٰى فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ

1۔ صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب صفۃ القیامۃ، جلد 2، صفحہ 371

اَمْرَهَا کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے آسمان میں جس کا ارادہ کیا اور جس کا حکم دیا ایحاء سے مراد کبھی امر ہوا کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا (الزلزلۃ) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ (المائدہ: 111) یعنی میں نے انہیں حکم دیا اور یہ امر تکوین ہے۔

وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ مصابیح سے مراد ایسے ستارے ہیں جو روشن ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہر آسمان میں روشن ستارے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بلکہ اس سے مراد وہ ستارے ہیں جو آسمان دنیا کے ساتھ خاص ہیں وَحِفْظًا اس کی تقدیر کلام یہ ہے وحفظنا ھا حفظا یعنی ان شیاطین سے ہم نے اسے محفوظ کیا جو چوری چھپے سنتے تھے۔ یہ ستاروں کے ساتھ جو حفاظت ہے یہ وہی ہے جو شیاطین کو ان کے ساتھ رجم کیا جاتا ہے جیسا سورۂ حجر میں بیان گذر چکا ہے۔ اس آیت کا ظاہر اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ زمین کو آسمان سے پہلے تخلیق کیا گیا، ایک دوسری آیت میں ہے: اَمِ السَّمَآءُ ۚ بَنٰىهَا (النازعات) پھر فرمایا وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا (النازعات) دحو، خلق سے مختلف چیز ہے اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا پھر آسمانوں کو پیدا کیا پھر زمین کو پھیلا دیا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ سورۂ بقرہ میں یہ بحث مفصل گذر چکی ہے۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ﴿١٣﴾ اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿١٤﴾ فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ۭ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۭ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿١٥﴾ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿١٦﴾

''پس اگر وہ پھر بھی روگردانی کریں تو آپ فرمایئے کہ میں نے ڈرایا ہے تمہیں اس کڑک سے جو عاد و ثمود کی مانند (ہلاکت خیز) ہوگی۔ (کچھ یاد ہے) جب آئے تھے ان کے پاس رسول سامنے سے اور پیچھے سے یعنی (ہر طرف سے) یہ سمجھانے کے لیے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو انہوں نے کہا: اگر ہمارے رب کی مرضی ہوتی کہ ہمیں کچھ سمجھائے تو فرشتے نازل کرتا پس ہم جو دے کر تمہیں بھیجا گیا ہے (اس کا سراسر) انکار کرتے ہیں۔ پس قوم عاد نے تو سرکشی اختیار کی زمین میں ناحق اور کہنے لگے: ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے؟ کیا انہوں نے نہ جانا کہ اللہ تعالیٰ جس نے ان کو پیدا کیا وہ ان سے زیادہ قوی ہے، اور وہ تو ہمیشہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے۔ پس ہم نے بھیج دی ان پر سخت ٹھنڈی ہوا منحوس دنوں میں تاکہ ہم انہیں چکھائیں ذلت آمیز عذاب، اس دنیوی زندگی میں، اور آخرت کا عذاب تو بہت زیادہ رسوا کن ہوگا اور ان

کی ہرگز مدد نہ کی جائے گی"۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم اگر کفار قریش ایمان سے اعراض کریں جس کی طرف تم دعوت دیتے ہو فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ۝ یعنی ہم نے ڈرایا ہلاکت سے جس طرح عاد اور ثمود کی ہلاکت تھی اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ یعنی ان کی طرف انہیں مبعوث کیا گیا اور ان سے قبل قوموں کی طرف مبعوث کیا گیا اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ اَن محل نصب میں ہے کیونکہ حرف جر حذف ہے اصل میں کلام یوں تھی بالا تعبدوا۔ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓىِٕكَةً یعنی رسولوں کی جگہ فرشتے مبعوث کرتا فَاِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ۝ یعنی انذار اور تبشیر کا انکار کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ان کی طرف سے استہزاء ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پہلے انہوں نے اقرار کیا ہے کہ ان کی طرف رسول مبعوث ہوئے اس کی بعد انکار اور عناد ہے۔

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ انہوں نے اللہ کے بندوں حضرت ہود اور مومنوں پر تکبر کیا۔ قَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً جب انہیں عذاب کی دھمکی دی تو انہوں نے اپنے جسموں کی وجہ سے دھوکہ کھایا انہوں نے کہا: ہم اپنی قوت کی زیادتی کی وجہ سے اپنے آپ سے عذاب دور کرنے پر قادر ہیں اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ لمبے جسموں والے اور موٹے تھے۔ سورۂ اعراف میں بحث گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان میں سے طویل ترین سو ہاتھ اور چھوٹا ساٹھ ہاتھ کا ہوتا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً، قوۃ کا معنی قدرت ہے جب بندہ اللہ تعالیٰ کے قدرت دینے سے قادر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ زیادہ قادر ہے وَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ۝ وہ ہمارے معجزات کا انکار کرتے تھے۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا یہ صاعقہ کی تفسیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان پر بھیجی تھی ایسی ہوا جو سخت ٹھنڈی تھی آواز شدید اور تیز چل رہی تھی۔ یہ کہا جاتا ہے: اصل میں صرر تھا جو صر سے مشتق ہے جس کا معنی ٹھنڈک ہے درمیانی راء کو فعل کے فاء کلمہ سے بدل دیا جس طرح ان کا قول ہے کبکبوا اصل میں کببوا تھا۔ تجفجف الثوب اصل میں تجفف الثوب ہے۔ ابو عبید نے کہا: صرصرا کا معنی ہے سخت آندھی، عکرمہ اور سعید بن جبیر نے کہا: سخت سرد۔ قطرب نے ابو حطیئہ کا قول ذکر کیا:

المُطْعِمون إذا هَبَّتْ بِصَرْصَرَةٍ والحامِلون إذا اسْتُودُوا على النّاس (1)

جب سخت ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں تو وہ لوگوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ اور وہ جھنڈے اٹھانے والے ہیں جب لوگوں پر سردار بنایا جائے۔

مجاہد نے کہا: سخت زہریلی (2)۔ معمر نے قتادہ سے روایت نقل کی ہے اس کا معنی ٹھنڈی ہے: یہ عطا نے کہا: کیونکہ صرصر یہ صر سے ماخوذ ہے کلام عرب میں صر سے مراد سرد ہے:

رُكِبْنَ فِي يومِ رِيحٍ وصِرّ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 174 2۔ ایضاً

ان پر سواری کی جاتی ہے سخت ہوا اور سردی میں۔
سدی نے کہا: سخت آواز (1)۔ اسی سے صرّ القلم والباب، یصر صریرا۔ جب قلم اور دروازہ آواز نکالے یہ جملہ کہا جاتا ہے: درھم صَرِّیٌّ وصِرِّیٌّ۔ جس کی آواز ہو جب اس کی چھان بین کی جائے۔ ابن سکیت نے کہا: صرصر جائز ہے کہ وہ صر سے ہو جس کا معنی ٹھنڈک ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ صریر الباب سے مشتق ہو اور الصرۃ سے مشتق ہو جس کا معنی صیح ہے اسی معنی میں یہ ارشاد ہے: فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِیْ صَرَّةٍ (الذاریات: 29) صرصر، عراق میں ایک نہر کا نام ہے۔

فِیْۤ اَیَّامٍ نَّحِسَاتٍ منحوس دنوں میں؛ یہ مجاہد اور قتادہ کا قول ہے۔ یہ شوال کے آخر میں ایک بدھ سے لے کر اگلے بدھ تک تھے یہی مراد ہیں سَبْعَ لَیَالٍ وَّ ثَمٰنِیَةَ اَیَّامٍ ۙ حُسُوْمًا (الحاقہ: 7) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کسی قوم کو عذاب نہیں دیا گیا مگر بدھ کے روز ہی (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نَّحِسَاتٍ کا معنی ٹھنڈے ہیں؛ نقاش نے یہ بیان کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پے در پے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک نے کہا: سخت۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: غبار والا؛ یہ ابن عیسیٰ نے بیان کیا ہے؛ اسی معنی میں راجز کا قول ہے:

قَدِ اغْتَدَی قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ لِلصَّیْدِ فِی یَوْمٍ قَلِیلِ النَّحْسِ (3)

وہ سورج کے طلوع ہونے سے قبل شکار کے لیے ایسے دن میں جا پہنچا جس میں غبار کم تھا۔

ضحاک اور دوسرے علماء نے کہا: اللہ تعالیٰ نے تین سالوں تک ان سے بارش کو روکے رکھا اور ہوائیں بارش کے بغیر ان پر خوب چلیں ان میں سے ایک جماعت مکہ مکرمہ کی طرف نکلی تاکہ وہاں بندوں کے لیے دعا کریں۔ اس زمانہ میں جب لوگوں کو کوئی مصیبت آ پہنچتی تو وہ مکہ مکرمہ میں آ کر اللہ تعالیٰ سے کشادگی کو طلب کرتے ان کا مطالبہ اللہ تعالیٰ سے بیت اللہ شریف کے پاس مکہ مکرمہ میں ہوتا وہ مسلمان ہوتے یا کافر ہوتے، مکہ مکرمہ میں کثیر لوگ جمع ہوتے جن کے دین مختلف ہوتے ہر ایک مکہ مکرمہ کی تعظیم کرتا وہ اس کی حرمت اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے مرتبہ کو پہچانتا۔

حضرت جابر بن عبد اللہ اور تیمی نے کہا: جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا تو اللہ تعالیٰ ان پر بارش کو نازل کرتا ہے اور زیادہ ہواؤں کو روک لیتا ہے جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کے بارے میں برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان سے بارش کو روک لیتا ہے اور سخت ہواؤں کو ان پر مسلط کرتا ہے۔

نافع، ابن کثیر اور ابو عمرو نے نَحِسَاتٍ حاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے نحوست والے، جو قول اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ نحس مصدر ہے وہ یہ ہے فِیْ یَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿۱۹﴾ (القمر) اگر یہ صفت ہوتا تو یوم کا لفظ اس کی طرف مضاف نہ ہوتا، ابو عمرو اپنی قراءت پر اسی آیت سے استدلال کیا کرتا تھا؛ ابو حاتم نے اسے ہی پسند کیا ہے۔ ابو عبید نے دوسری قراءت کو پسند کیا ہے کہا: ابو عمرو کی حجت صحیح نہیں کیونکہ اس نے یوم کے لفظ کو نحس کی طرف مضاف کیا ہے اور اس کی حاء کو ساکن کیا یہ دلیل تب ہوتی اگر یوم کو تنوین دی جاتی اور اس کی صفت لگائی جاتی اور اسے ساکن کیا جاتا اور وہ کہتا: فی یوم نحس یہ قراءت کسی نے بھی نہیں کی

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 174		2۔ ایضاً		3۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 175

جس کو ہم جانتے ہوں۔ مہدوی نے کہا: نحس میں اسکان ہی سنا گیا ہے۔

جوہری نے کہا: فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ میں اسے صفت کے طور پر پڑھا گیا ہے جبکہ اضافت بہت زیادہ اور عمدہ ہے قد نحس الشئ فھو نَحس شاعر نے کہا:

أبلغْ جزاما ولخْما أنّ إخوتهم		طيًا وبهْراء قوم نصرهم نحِس

جزام اور لخم کو خبر پہنچا دو ان کے بھائی طی اور براء ایسی قوم ہیں جن کی مدد غبار والے دن نے کی۔

اسی معنی میں ہے اَیَّامٍ نَّحِسَاتٍ ہے۔

لِّنُذِيْقَهُمْ تا کہ ہم ان کو چکھائیں۔ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا یعنی بانجھ ہوا کے ساتھ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى آخرت کا عذاب بڑا اور شدید ہوگا۔

وَ اَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝

”باقی رہے ثمود تو انہیں ہم نے سیدھی راہ دکھائی انہوں نے پسند کیا اندھے پن کو ہدایت پر تو پکڑ لیا انہیں اس عذاب کی کڑک نے جو رسوا کن ہے ان کرتوتوں کے باعث جو وہ کیا کرتے تھے۔ اور ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو ایمان لائے تھے اور (اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے) ڈرتے رہتے تھے“۔

وَ اَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ یعنی ہم نے ان کے لیے ہدایت اور گمراہی کو واضح کر دیا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ حضرت حسن بصری، ابن ابی اسحاق اور دوسرے علماء نے اما ثمود نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کے بارے میں گفتگو سورۃ الاعراف میں گذر چکی ہے۔

فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى انہوں نے ایمان پر کفر کو پسند کیا۔ ابو العالیہ نے کہا: انہوں نے وضاحت پر اندھے پن کو پسند کیا۔ سدی نے کہا: معصیت کو اطاعت پر پسند کیا (1)۔

فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ، الھون ضمہ کے ساتھ ہے جس کا معنی ذلت و رسوائی ہے۔ ھون بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر جو کنانہ اور اسد سے تعلق رکھتا تھا۔ اھانہ اس کو حقیر و خفیف جاننا اس کا اسم ھوان اور مھانہ ہے۔ صاعقہ کو عذاب کی طرف مضاف کیا گیا کیونکہ صاعقہ کہتے ہیں ہلاک کرنے والی چیز کو۔ گویا فرمایا: مھلك العذاب یعنی ایسا عذاب جو مہلک ہے ھون اگرچہ مصدر ہے اس کا معنی أھانه ہے اور أھانه کا معنی عذاب ہے۔ یہ جائز ہے کہ ان میں سے ایک کو دوسرے کی صفت بنا دیا جائے گویا کہا: صاعقة الھون وہ تیرے اس قول کی طرح ہے: عندی علم الیقین اور عندی العلم الیقین۔ یہ بھی جائز ہے کہ ھون، دون کی طرح ایک اسم ہو یہ جملہ کہا جاتا ہے: عذاب ھون یعنی ایسا عذاب جو ذلیل کرنے والا ہے جس طرح فرمایا: مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ۝ (سبا) ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایسے عذاب کا صاعقہ جو ذلت والا ہے بِمَا كَانُوْا

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 175

یَكْسِبُوْنَ۝ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا تھا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں جس طرح یہ گفتگو پہلے گذر چکی ہے۔
وَ نَجَّیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یعنی حضرت صالح علیہ السلام اور جو ایمان لائے تھے یعنی ہم نے انہیں کفار سے ممتاز کر دیا ان پر وہ عذاب نازل نہ ہوا جو کفار پر نازل ہوا تھا، اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم ہم تیری قوم کے مومنوں اور ان کے کافروں کے ساتھ یہی معاملہ کریں گے۔

وَ یَوْمَ یُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ۝۱۹ حَتّٰۤى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَیْهِمْ سَمْعُهُمْ وَ اَبْصَارُهُمْ وَ جُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۝۲۰ وَ قَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَیْنَا قَالُوْۤا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِیْۤ اَنْطَقَ كُلَّ شَیْءٍ وَّ هُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ۝۲۱

"اور (ذرا خیال کرو) اس دن کا جب جمع کیے جائیں گے اللہ کے دشمن آتش (جہنم) کی طرف پھر وہ گروہوں میں بانٹ دیے جائیں گے، یہاں تک کہ جب وہ دوزخ کے قریب آ جائیں گے تو (حساب شروع ہوگا اس وقت) گواہی دیں گے ان کے خلاف ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں اس کے بارے میں جو وہ کیا کرتے تھے۔ اور وہ کہیں گے اپنی کھالوں سے، تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی۔ وہ کہیں گے: (ہم بے بس ہیں) ہمیں تو گویا کر دیا ہے اللہ نے جس نے گویا کیا ہے ہر شے کو اور اسی نے تمہیں پیدا کیا تھا پہلی مرتبہ اور اب اسی کی طرف تم لوٹائے جا رہے ہو"۔

نافع نے نحشر نون کے ساتھ پڑھا ہے اور اعداء کو نصب دی ہے باقی قراء نے یُحْشَرُ یاء مضموم کے ساتھ پڑھا ہے اَعْدَآءُ مرفوع ہے دونوں کا معنی واضح ہے۔ اَعْدَآءُ سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں اور ان کے امر کی مخالفت کی فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ انہیں ہانکا جائے گا اور جہنم کی طرف دھکیلا جائے گا۔ قتادہ اور سدی نے کہا: پہلوں کو انکے آخری افراد پر روک لیا جائیگا یہاں تک کہ وہ جمع ہو جائیں گے۔ ابو احوص نے کہا: جب تعداد مکمل ہو جائے گی تو جرم کے اعتبار سے سب سے بڑے پھر اس کے بعد بڑے کا آغاز کیا جائے گا یُوْزَعُوْنَ کے بارے میں گفتگو سورۃ النحل میں مفصل گذر چکی ہے۔

حَتّٰۤى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَیْهِمْ سَمْعُهُمْ وَ اَبْصَارُهُمْ وَ جُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۝ حَتّٰۤى اِذَا مَا میں ما زائدہ ہے۔ اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ چمڑے بذات خود ان پر گواہی دیں گے۔ سدی اور عبید اللہ بن ابی جعفر اور فراء نے کہا: جلود سے مراد شرمگاہیں ہیں۔ ایک ادیب نے عامر بن جویہ کا شعر پڑھا:

المرءُ يسعى للسلامة والسلامةُ حسبه
أو سالم من قد تثنّى جلدهُ وابيضَّ رأسه

وَ قَالُوْا یعنی کفار نے کہا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَیْنَا تم تمہاری جانب سے جھگڑا کیا کرتے تھے تو قَالُوْۤا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ

الَّذِیۡۤ اَنۡطَقَ کُلَّ شَیۡءٍ انہوں نے کہا: اس اللہ تعالیٰ نے ہمیں گویا کیا جس نے ہر چیز کو گویا کیا: جب انہوں نے خطاب کیا اور انہیں خطاب کیا گیا تو انہیں ذوی العقول کے قائم مقام رکھا گیا وَّ هُوَ خَلَقَكُمۡ اَوَّلَ مَرَّةٍ یعنی پہلے تم نطفہ تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے اندر زندگی پیدا کر دی جو اس پر قادر ہے وہ اس پر بھی قادر ہے کہ وہ چمڑے اور دوسرے اعضاء کو گویا کر دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَّ هُوَ خَلَقَكُمۡ اَوَّلَ مَرَّةٍ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے کلام کا آغاز ہے۔

وَّاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ۞ صحیح مسلم میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے تو آپ ہنسے، پوچھا گیا: ''کیا تم جانتے ہو میں کس وجہ سے ہنسا ہوں؟'' ہم نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، فرمایا: ''بندے کے اپنے رب سے خطاب کی وجہ سے ہنسا ہوں۔ بندہ عرض کرتا ہے: اے میرے رب! کیا تو نے مجھے ظلم سے پناہ نہیں دی؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیوں نہیں۔ وہ عرض کرتا ہے: میں اپنے خلاف کسی کو گواہ بننے کی اجازت نہیں دوں گا۔ اللہ تعالیٰ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: آج تیری ذات تیرے خلاف گواہ ہوگی اور کراماً کاتبین تیرے خلاف گواہ کافی ہوں گے فرمایا: اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی تو اس کے اعضاء کو کہا جائیگا: تم بولو، تو وہ اس کے اعمال کے بارے میں گفتگو کریں گے پھر اسکے اور اس کی گفتگو کے درمیان رکاوٹ ختم کر دی جائے گی تو وہ کہے گا: تمہارے لیے ہلاکت ہو، میں اس لیے تمہاری حفاظت کیا کرتا تھا'' (1)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے پھر کہا جائیگا: ''اب ہم اپنا گواہ تیرے خلاف پیش کرتے ہیں وہ دل میں سوچے گا کون میرے خلاف گواہی دے گا؟ اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی، اس کی ران، اس کے گوشت اور ہڈیوں سے کہا جائیگا: بول، اس کی ران، اس کا گوشت اور اس کی ہڈیاں اس کے عمل کے بارے میں گفتگو کریں گی یہ اس لیے ہوگا کیونکہ اس نے بکثرت گناہ کیے ہوں گے وہ منافق ہوگا اور یہی وہ شخص ہوگا جس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوگا (2)'' اسے امام مسلم نے نقل کیا ہے۔

وَ مَا كُنۡتُمۡ تَسۡتَتِرُوۡنَ اَنۡ يَّشۡهَدَ عَلَيۡكُمۡ سَمۡعُكُمۡ وَلَاۤ اَبۡصَارُكُمۡ وَلَا جُلُوۡدُكُمۡ وَلٰـكِنۡ ظَنَنۡتُمۡ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعۡلَمُ كَثِيۡرًا مِّمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ۞ وَذٰلِكُمۡ ظَنُّكُمُ الَّذِىۡ ظَنَنۡتُمۡ بِرَبِّكُمۡ اَرۡدٰٮكُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ مِّنَ الۡخٰسِرِيۡنَ ۞ فَاِنۡ يَّصۡبِرُوۡا فَالنَّارُ مَثۡوًى لَّهُمۡ‌ۚ وَاِنۡ يَّسۡتَعۡتِبُوۡا فَمَا هُمۡ مِّنَ الۡمُعۡتَبِيۡنَ ۞ وَقَيَّضۡنَا لَهُمۡ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوۡا لَهُمۡ مَّا بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمَا خَلۡفَهُمۡ وَحَقَّ عَلَيۡهِمُ الۡقَوۡلُ فِىۡۤ اُمَمٍ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ مِّنَ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ‌ۚ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا خٰسِرِيۡنَ ۞

''اور تم چھپا نہیں سکتے تھے اپنے آپ کو اس امر سے کہ گواہی نہ دیں تمہارے خلاف تمہارے کان اور نہ تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں بلکہ تم تو یہ گمان کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہی نہیں تمہارے اکثر اعمال کو

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزھد، جلد 2، صفحہ 409 2۔ ایضاً، أن الأعضاء منطوقۃ، جلد 2، صفحہ 409

جوتم کرتے ہو۔ اور تمہارے اسی گمان نے جو تم اپنے رب کے بارے میں کیا کرتے تھے تمہیں ہلاک کر دیا
پس تم ہو گئے نقصان اٹھانے والوں سے۔ پس وہ صبر کریں یا نہ کریں آگ ہی ان کا ٹھکانہ ہے اور اگر وہ
(اس وقت) رضائے الٰہی چاہیں گے تو وہ ان میں سے نہیں ہوں گے جن پر اللہ راضی ہوا۔ اور ہم نے مقرر
کر دیئے ان کے لیے کچھ ساتھی پس انہوں نے آراستہ کر دکھایا انہیں اگلے اور پچھلے گناہوں کو اور ثابت
ہو گیا ان پر فرمان (عذاب) ان قوموں کی طرح جو ان سے پہلے گذر چکی تھیں جنوں اور انسانوں سے وہ
سب (اگلے اور پچھلے) نقصان اٹھانے والے تھے"۔

وَ مَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ یہ جائز ہے کہ یہ اعضاء کا ان کے لیے قول ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ یا فرشتوں کا قول ہو۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک روایت مروی ہے کہ بیت اللہ شریف کے پاس تین افراد جمع ہوئے دو قریشی تھے اور ایک ثقفی یا دو ثقفی اور ایک قریشی۔ ان کے دلوں میں فہم کم تھا اور پیٹوں کی چربی بہت زیادہ تھی ان میں سے ایک نے کہا: بتاؤ جو ہم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ اسے سنتا ہے۔ دوسرے نے کہا: اگر ہم بلند آواز سے بات کریں تو وہ سنتا ہے اور اگر ہم خفیہ طریقہ سے بات کریں تو وہ نہیں سنتا۔ تیسرے نے کہا: جب ہم بلند آواز سے بات کریں تو وہ سنتا ہے پھر جب ہم مخفی طریقہ سے بات کریں گے تب بھی وہ سنتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا (1): وَ مَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَ لَاۤ اَبْصَارُكُمْ امام ترمذی نے اسے نقل کیا ہے کہا: بیت اللہ شریف کے پاس تین آدمی اکٹھے ہوئے پھر حرف حرف اس حدیث کا ذکر کیا ہے اور کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ہناد، ابو معاویہ سے وہ اعمش سے وہ عمارہ بن عمیر سے وہ عبدالرحمٰن بن یزید سے روایت نقل کرتے ہیں کہا حضرت عبداللہ نے کہا: میں اپنے آپ کو بیت اللہ شریف کے پردوں سے چھپائے ہوئے تھا کہ تین افراد آئے ان کے پیٹ بڑھے ہوئے تھے اور دانش کم تھی ایک قریشی اور دو اس کے داماد ثقفی یا ایک ثقفی اور دو اس کے داماد قریشی تھے انہوں نے آپس میں گفتگو کی جس کو میں نہ سمجھ سکا ان میں سے ایک نے کہا: بتاؤ، اللہ تعالیٰ ہماری گفتگو سنتا ہے؟ دوسرے نے کہا: جب ہم اپنی آوازیں بلند کریں تو وہ سن لیتا ہے اور جب ہم اپنی آوازوں کو بلند نہ کریں تو نہیں سنتا۔ تیسرے نے کہا: اگر وہ ہماری گفتگو سے کچھ سنتا ہے تو وہ تمام کچھ سن لیتا ہے۔ حضرت عبداللہ نے کہا: میں نے اس کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا: وَ مَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَ لَاۤ اَبْصَارُكُمْ وَ لَا جُلُوْدُكُمْ وَ لٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ وَ ذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے (2)۔ ثعلبی نے کہا: ثقفی عبد یالیل تھا اور اس کے داماد ربیعہ اور صفوان بن امیہ تھے۔

تَسْتَتِرُوْنَ کا اکثر علماء کے نزدیک معنی ہے جسے تم چھپاتے ہو یعنی جسے اپنے نفوس سے چھپاتے ہو کہ اعضاء تمہارے

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، وذالکم ظنکم، جلد 2، صفحہ 713

2۔ جامع الترمذی، باب ومن سورۃ حم السجدہ، حدیث نمبر 3171-3172، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

خلاف گواہی نہ دیں کیونکہ انسان کے لیے ممکن ہی نہیں کہ وہ اپنے نفس سے کوئی عمل چھپا سکے پس استخفاء، معصیت کو ترک کرنے کے معنی میں ہوگا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: استتار، اتقاء کے معنی میں ہے یعنی تم دنیا میں تقویٰ اختیار کرنے والے نہیں کہ آخرت میں تمہارے اعضاء تمہارے خلاف کوئی گواہی دیں گے تو تم اس شہادت کے خوف سے معاصی کو ترک کر دو؛ یہ معنی مجاہد نے بیان کیا ہے۔ قتادہ نے کہا: وَ مَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ یعنی تم گمان نہیں رکھتے کہ وہ کہے میں نے حق کو سنا اور میں نے یاد نہیں رکھا اور میں نے وہ بات سنی جو معاصی میں سے تھی اور سنا جائز نہ تھی وَلَآ اَبْصَارُكُمْ یعنی وہ کہیں: میں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کو دیکھا اور میں نے عبرت حاصل نہ کی اور میں نے ایسی چیز کو دیکھا جو جائز نہ تھی وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ لیکن تمہارا گمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت سی چیزوں کو نہیں جانتا جنہیں تم جانتے ہو پس تم اس بات پر جھگڑتے ہو یہاں تک کہ تمہارے اعضاء تمہارے اعمال کے بارے میں گواہی دیں گے۔

بہز بن حکیم نے اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ کی تفسیر کے بارے میں روایت نقل کرتے ہیں "قیامت کے روز تمہیں بلایا جائیگا تمہارے مونہوں میں فدام (جانور کے منہ پر ایسی چیز چڑھانا کہ وہ چر نہ سکے) چڑھایا گیا ہوگا انسان کے اعمال کے بارے میں سب سے پہلے جو چیز وضاحت کرے گی وہ اس کی ران اور ہتھیلی ہوگی"۔ عبداللہ بن عبدالاعلی شامی نے کہا اور خوب کہا:

العُمْرُ يَنْقُصُ والذُّنوب تَزِيدُ وتُقالُ عَثَراتُ الفتى فيعودُ
هل يستطيعُ جُحُودَ ذنبٍ واحدٍ رجلٌ جوارِحُه عليه شُهودُ
والمرءُ يسأل عن سِنيهِ فيشتهي تقليلَها وعنِ المماتِ يحِيدُ

عمر کم ہو رہی ہے اور گناہ بڑھ رہے ہیں نوجوان کی لغزشوں کا ذکر کیا جاتا ہے اور واپس لوٹتا ہے۔ کیا کوئی انسان کسی ایک گناہ کے انکار کی طاقت رکھتا ہے جبکہ اعضاء اس پر گواہ ہیں۔ انسان سے اس کی عمر کے بارے میں پوچھا جاتا ہے وہ کمی کی خواہش کرتا ہے اور موت سے پہلوتہی کرتا ہے۔

حضرت معقل بن یسار، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں: "کوئی دن جو انسان پر آتا ہے نہیں ہے مگر وہ اعلان کرتا ہے اے انسان! میں نئی مخلوق ہوں جو کچھ تو کرے گا میں کل تیرے خلاف اس پر گواہ ہوں گا مجھ میں اچھا عمل کر میں کل تیرے حق میں گواہی دوں گا اگر میں ایک دفعہ گذر گیا تو مجھے کبھی نہیں دیکھے گا اور رات بھی اسی طرح کہتی ہے(1)"۔ ابونعیم حافظ نے اسے ذکر کیا ہے ہم نے اس کا ذکر کتاب "التذکرۃ" میں زمین، راتوں، دنوں اور مال کی شہادت کے بارے میں کیا ہے۔ محمد بن بشیر نے کہا اور خوب کہا:

مَضَى أمسُكَ الأدنى شَهيدا معدّلا ويومُكَ هذا بِالفِعالِ شهيدُ

1۔ کتاب التذکرہ، جلد 1، صفحہ 389

فإنْ تكُ بِالأمسِ اقترفت إساءةً فَثَنِّ بإحسانٍ وأنتَ حميدُ

ولا تُرْجِ فِعْلَ الخير مِنك إلى غدٍ لعلّ غدًا يأتي وأنت فقيدُ

تیرا قریبی کل گذر گیا جو ایسا گواہ ہے جس کو عادل قرار دیا گیا ہے تیرا یہ دن اعمال پر گواہی دینے والا ہے اگر تو نے گذشتہ کل برا عمل کیا ہے تو دوگنا احسان کر جبکہ تو محمود ہے۔ اچھے عمل کو کل تک موخر نہ کر ممکن ہے کل آئے اور تو نہ ہو۔

وَ ذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِیْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ یعنی تمہیں ہلاک کردے اور تمہیں جہنم میں داخل کردے، قتادہ نے کہا: یہاں ظن کا لفظ علم کے معنی میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لا یموتنَّ أحدُکم إلّا وھو یحسن الظنّ باللہ فإنّ قوما أساء وا الظنّ بربّھم فأھلکھم تم میں سے کوئی آدمی نہ مرے مگر وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں حسن ظن رکھتا ہو اگر کوئی قوم اپنے رب کے بارے میں سوء ظن رکھے تو وہ انہیں ہلاک کردے گا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَ ذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِیْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ کا یہی مطلب ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کہا: کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں آرزوؤں نے غافل کردیا ہے(1) یہاں تک کہ وہ دنیا سے نکلے تو ان کے لیے کوئی نیکی نہ تھی ان میں سے ایک کہتا ہے: میں اپنے رب کے بارے میں حسن ظن رکھتا ہوں اور وہ جھوٹ بولتا ہے اگر وہ اپنے رب کے بارے میں حسن ظن رکھتا تو حسن عمل کرتا اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تلاوت کی۔ وَ ذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِیْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ۝ قتادہ نے کہا: جو آدمی یہ طاقت رکھتا ہو کہ وہ مرے تو اپنے رب کے ساتھ حسن ظن رکھتا ہو تو وہ ایسا کرے کیونکہ گمان دو طرح کے ہیں ایک ظن نجات دیتا ہے اور ایک ظن ہلاک کرتا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس آیت کے بارے میں فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو ہمیشہ بدکاریاں کرتے رہے تھے اور ان سے توبہ نہ کرتے تھے، وہ مغفرت کے بارے میں گفتگو کرتے تھے یہاں تک کہ وہ دنیا سے مفلس کی حیثیت سے نکلے پھر اس آیت کو پڑھا: وَ ذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِیْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ۝۔

فَاِنْ یَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ اگر وہ دنیا میں جہنمیوں کے اعمال پر صبر کرتے رہے تو ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَمَاۤ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ۝ (بقرہ) جس طرح یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔

وَ اِنْ یَّسْتَعْتِبُوْا اگر دنیا میں رضاء الٰہی کے طالب ہوتے جبکہ وہ اپنے کفر پر قائم ہوں تو انہیں اللہ کی رضا نصیب نہیں ہو گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر وہ جہنم میں صبر کریں یا وہ جزع فزع کریں تو جہنم ہی ان کا ٹھکانہ ہے اس سے بچنے کی کوئی صورت نہیں جزع پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: وَ اِنْ یَّسْتَعْتِبُوْا کیونکہ مستعتب جزع کرتا ہے اور معتب اسے کہتے ہیں جس کی جزع قبول ہو، نابغہ نے کہا:

فإن أكُ مظلومًا فعبدٌ ظلمتَه وإن تكُ ذا عُتْبى فمثلك يُعْتِبُ

اگر میں مظلوم ہوں تو ایسا بندہ ہوں جس پر تو نے ظلم کیا اگر تو رضا والا ہے تو تیری مثل ہی ناراضگی کا سبب دور کرتا ہے۔

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 416

یعنی تیری مثل ہی وہ ذات ہے جو صالحیت کو قبول کرتی ہے اور مراجعت کو قبول کرتی ہے جب اس سے اس کا سوال کیا جائے۔ خلیل نے کہا: عتاب سے مراد ہے محبت سے خطاب کرنا اور ناراضگی کا ذکر کرنا تو کہتا ہے: عاتَبتہ معاتبۃ۔ میں نے اس سے ناراضگی اور محبت کے ساتھ اظہار کیا یہ کہا جاتا ہے: بینھم أعتوبۃ یتعاتبون بھا۔ یہ جملہ بھی کہا جاتا ہے: إذا تعاتبوا أصلح مابینھم العتاب أعتبنی فلان، جب وہ ناراضگی سے میری خوشی کی طرف لوٹا۔ اس سے اسم عتبی آتا ہے اس سے مراد جس پر عتاب کیا جارہا تھا وہ اس امر کی طرف لوٹا جس سے عتاب کرنے والا راضی ہوتا ہے۔ استعتب اور اعتب کا معنی ایک ہی ہے۔ استعتب کا معنی یہ بھی ہے کہ اس نے رضامندگی کا مطالبہ کیا تو کہتا ہے: استعتبتہ فاعتبنی میں نے اسے راضی کرنا چاہا تو اس نے مجھے راضی کر دیا۔ وَ اِنۡ یَّسۡتَعۡتِبُوۡا معنی ہے انہوں نے رضا کو طلب کیا تو اس طلب نے انہیں کچھ نفع نہ دیا بلکہ ان کے لیے جہنم ضروری ہے۔ تفاسیر میں یہ معنی لکھا ہوا ہے اگر وہ اپنے رب سے بخشش کے طالب ہوں گے تو وہ بخشے جانے والے لوگوں میں سے نہیں ہوں گے (1)۔ عبید بن عمیر اور ابو العالیہ نے اسے پڑھا أن یُسۡتَعۡتَبوا یہ مجہول کا صیغہ ہے۔ فَمَا هُمۡ مِّنَ الۡمُعۡتَبِیۡنَ ۞ یعنی اگر اللہ تعالیٰ انہیں دنیا کی طرف لوٹا دے تب بھی وہ اس کی اطاعت والے عمل نہیں کریں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے موجود ہے کہ وہ بدبخت ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ لَوۡ رُدُّوۡا لَعَادُوۡا لِمَا نُهُوۡا عَنۡهُ (الانعام: 28) یہ مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ ثعلب نے کہا: جب وہ ناراض ہو تو کہا جاتا ہے اعتب، جب وہ راضی ہو تو کہتے ہیں اعتب (2)۔

وَ قَیَّضۡنَا لَهُمۡ قُرَنَآءَ نقاش نے کہا: ہم نے ان کے لیے شیاطین کو تیار کر دیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے ان پر ایسے شیاطین مسلط کر دیے ہیں جو ان کے ہاں معاصی کو مزین کر کے پیش کرتے ہیں یہ جنوں، شیاطین اور انسانوں میں سے قرناء ہوں گے یہ کہا جاتا ہے: قیض اللہ فلانا بفلان۔ وہ اس کے پاس اسے لایا اور اس نے اس کے لیے قصد کیا اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ قَیَّضۡنَا لَهُمۡ قُرَنَآءَ۔ قشیری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے میرے لیے رزق کو مقرر کیا جس طرح میں اسے طلب کرتا تھا تقییض کا معنی بدل دینا ہے اسی سے مقایضہ ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: قایضتُ الرجلَ مقایضۃ یعنی میں نے اس کے ساتھ سامان کے ساتھ مبادلہ کیا۔

فَزَیَّنُوۡا لَهُمۡ مَّا بَیۡنَ اَیۡدِیۡهِمۡ، مَّا بَیۡنَ اَیۡدِیۡهِمۡ سے مراد امور دنیا ہیں ان شیاطین نے اسے ان کے لیے مزین کیا یہاں تک کہ اسے آخرت پر ترجیح دی وَ مَا خَلۡفَهُمۡ ان کی موت کے بعد مزین کیا اور انہیں امور آخرت کی تکذیب کی طرف دعوت دی؛ یہ مجاہد سے مروی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے قَیَّضۡنَا لَهُمۡ قُرَنَآءَ یعنی جہنم میں فَزَیَّنُوۡا لَهُمۡ دنیا میں ان کے اعمال کو مزین کیا معنی ہے ہم نے ان پر مقرر کیا کہ ایسا ہوگا اور ہم نے ان کے خلاف اس کا فیصلہ کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے ہم نے انہیں اقران کا محتاج کر دیا یعنی ہم نے فقیر کو غنی کا محتاج کر دیا تاکہ وہ اس سے لے اور غنی کو فقیر کا محتاج کر دیا ہے تاکہ وہ اس سے مدد لے تو ان میں سے بعض نے بعض کے لیے معاصی کو مزین کیا وَ مَا خَلۡفَهُمۡ کا عطف مَّا بَیۡنَ اَیۡدِیۡهِمۡ پر نہیں بلکہ معنی ہے انہوں نے آخرت کو ان سے بھلا دیا، اس میں اضمار ہے۔ حضرت ابن عباس

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 177 2۔ ایضاً

بعض علماء نے کہا: مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ سے مراد ہے ان کا امور آخرت کو جھٹلانا اور وَ مَا خَلْفَهُمْ سے مراد ہے دنیا میں رغبت دلانا۔
زجاج نے کہا: مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ سے مراد ہے جو انہوں نے اعمال کیے (1) وَ مَا خَلْفَهُمْ سے مراد ہے انہوں نے جن اعمال کا ارادہ کیا۔ مجاہد کا قول پہلے گذر چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے لیے وہ ہے جو انہوں نے گناہ کیے اور وَ مَا خَلْفَهُمْ سے مراد جو ان کے بعد عمل کیا جاتا رہا۔

وَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ ان پر عذاب ثابت ہو گیا جو عذاب ان سے قبل امتوں پر ثابت ہوا تھا جو کافر ہوئے جس طرح انہوں نے کفر کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فِيْٓ، مع کے معنی میں ہے معنی ہو گا وہ کافر امتوں کے ساتھ داخل ہوں گے جو ان سے قبل ہوئیں ایسے امور میں جن میں وہ داخل ہوئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فِيْٓ اُمَمٍ، فی جملة أمم کے معنی میں ہے اسی کی مثل شاعر کا قول ہے:

إِنْ تَكُ عَنْ أَحْسَنِ الصَّنِيعَةِ مَأْ فُوكًا فَفِي آخَرِينَ قد أفكوا

شاعر یہ ارادہ کرتا ہے تو آخرین کے زمرہ میں ہے تو کوئی اکیلا نہیں۔ فِيْٓ اُمَمٍ محل نصب میں ہے عَلَيْهِمْ کی ضمیر سے حال ہے تقدیر کلام یہ ہو گی حقّ علیهم القولُ کائنین فی جُملة أُمَم۔

اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ۝ دنیا میں اپنے اعمال میں خسارہ اٹھانے والے اور قیامت کے روز اپنی ذاتوں اور اہل میں خسارہ اٹھانے والے تھے۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَ الْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ۝۲۶ فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝۲۷ ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ؕ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ۝۲۸ وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَاۤ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ۝۲۹

''اور کہنے لگے وہ کافر: مت سنا کرو اس قرآن کو اور شور و غل مچا دیا کرو اس کی تلاوت کے درمیان شاید تم اس طرح غالب آجاؤ۔ پس ہم ضرور چکھائیں گے کفار کو شدید عذاب کا مزہ اور انہیں بدلہ دیں گے بہت برا اس (نافرمانی) کا جو وہ کیا کرتے تھے۔ یہ ہے سزا اللہ کے دشمنوں کی یعنی آگ، ان کے لیے اس میں ہی ہمیشہ ٹھہرنے کا گھر ہے، یہ سزا ہے اس بات کی کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے۔ اور کافر کہیں گے: اے ہمارے رب ہمیں دکھا وہ دونوں (شیطان) جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا جنوں اور انسانوں سے ہم انہیں روند ڈالیں گے اپنے قدموں کے نیچے تا کہ وہ ہو جائیں پست ترین لوگوں سے''۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 178

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ جب الله تعالیٰ نے قوم ہود، قوم صالح اور دوسرے لوگوں کے کفر کا ذکر کیا تو قریش کے مشرکین کے بارے میں خبر دی اور یہ بتایا کہ انہوں نے قرآن کو جھٹلایا اور کہا: لَا تَسْمَعُوْا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لَا تَسْمَعُوْا کا معنی ہے تم اطاعت نہ کرو یہ جملہ کہا جاتا ہے: سمعتُ لك، یعنی میں نے تیری اطاعت کی وَالْغَوْا فِيْهِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ابو جہل نے کہا جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پڑھیں تو اس کے سامنے چیخنا چلانا شروع کر دیا کرو تا کہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اسے نہ سمجھا جا سکے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب قرآن نے انہیں عاجز کر دیا تھا تو اس وقت انہوں نے کہا: مجاہد نے کہا: شور مچانے، سیٹیاں بجانے اور گفتگو میں خلط ملط کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ لغو ہو جائے (1)۔

ضحاک نے کہا: زیادہ گفتگو کیا کرو تا کہ جو کچھ وہ کہیں وہ خلط ملط ہو جائے۔ ابو العالیہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ کہا ہے: اس میں عیب لگاؤ۔

لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝ ممکن ہے تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت پر غالب آ جاؤ نہ وہ لوگوں پر غالب آئیگا اور نہ وہ دلوں کو مائل کرے گا۔

عیسیٰ بن عمر جحدری، ابن ابی اسحاق، ابو حیوہ اور بکر بن حبیب سہمی نے اسے والغُوا پڑھا ہے یہ لغا یلغو کی ایک لغت ہے۔ جماعت کی قراءت لغِی یَلْغَی مہدوی نے کہا: وَالْغَوْا فِيْهِ کا معنی ہے اس کا سامنا ایسی کلام سے کرو جو سمجھ نہ آتی ہو۔ یہ بھی کہا جاتا ہے لغوت، الغُو اَلْغَی لغِی، یَلْغَی۔ یہ تین لغتیں ہیں۔ لغو کا معنی سورۂ بقرہ میں گذر چکا ہے۔ لغو اسے کہتے ہیں جس کی حقیقت کا علم نہ ہو۔

فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا یہ بحث پہلے گذر چکی ہے کہ ذوق محسوس ہوا کرتا ہے۔ عذاب شدید کا معنی یہ ہے جو پے در پے ہو منقطع نہ ہو ایک قول یہ کیا گیا ہے اس سے مراد تمام اجزاء میں عذاب ہے۔

وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ یعنی ہم آخرت میں ان کے ان برے اعمال کی جزا دیں گے جو عمل وہ دنیا میں کرتے رہے۔ اور اعمال میں سے سب سے برا شرک ہے۔

ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ یعنی وہ عذاب شدید الله تعالیٰ کے دشمنوں کی جزا ہے۔ پھر الله تعالیٰ نے اس کی وضاحت النَّارُ سے کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے ذلك جزاء اعداء الله النار دار الخلود پڑھا ہے دار کو النار سے تعبیر کیا یہی آیت کا معنی ہے ذلك مبتدا ہے اور جزاء اس کی خبر ہے النار، جزا سے بدل ہے یا مضمر مبتدا کی خبر ہے اور جملہ پہلے جملہ کے بیان کے محل میں ہے۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وہ جہنم میں یہ بات کریں گے۔ اسے ماضی کے لفظ کے ساتھ ذکر کیا مراد مستقبل ہے رَبَّنَاۤ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ، الذین سے مراد ابلیس اور حضرت آدم علیہ السلام کا وہ بیٹا ہے جس نے اپنے بھائی کو قتل کیا؛ حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود اور دوسرے علماء سے یہ مروی ہے اس قول کی تائید حدیث مرفوع کرتی ہے مَا مِنْ مُسْلِمٍ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 178

يُقْتَلُ ظُلْمًا إِلَّا كَانَ عَلَى ابن آدم الأول كفل من ذنبه لأنه أول من سن القتل (1) جو مسلمان بھی ظلماً کسی کو قتل کرتا ہے تو حضرت آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے پر اس کے گناہ کا حصہ ہوتا ہے کیونکہ اس نے ہی سب سے پہلے قتل کیا تھا۔ اسے امام ترمذی نے نقل کیا ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: الَّذَيْنِ اسم موصول تثنیہ ذکر کیا ہے مگر مراد جنس ہے کیونکہ دونوں جنسیں مختلف ہیں۔

نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ أَقْدَامِنَا لِيَكُونَا مِنَ الْأَسْفَلِينَ ۝ انہوں نے یہ سوال اس لیے کیا تا کہ ان سے شفا حاصل کریں کہ انہیں اپنے قدموں کے نیچے رکھیں الْأَسْفَلِينَ سے مراد ہے کہ وہ سب سے نچلے گڑھے میں ہوں۔ انہوں نے یہ سوال اس لیے کیا تھا کہ اس کے لیے عذاب کو کئی گنا کر دے جو جن وانس میں سے ان کی گمراہی کا سبب بنا تھا۔ ابن محیصن اور سوسی نے ابو عمرو، ابن عامر، ابو بکر اور مفضل نے اسے أَرْنَا پڑھا ہے یعنی راء ساکن ہے۔ ابو عمرو نے اس میں اختلاس کا قاعدہ جاری کیا ہے باقی نے کسرہ میں اشباع کا قاعدہ جاری کیا ہے۔ سورۂ اعراف میں یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ۝ نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۖ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ۝ نُزُلًا مِنْ غَفُورٍ رَحِيمٍ ۝

"بے شک وہ (سعادت مند) جنہوں نے کہا: ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے پھر وہ اس قول پر پختگی سے قائم رہے، اترتے ہیں ان پر فرشتے (اور انہیں کہتے ہیں) کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو تمہیں بشارت ہو جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ ہم تمہارے دوست ہیں دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی اور تمہارے لیے اس میں ہر وہ شے ہے جو تمہارا جی چاہے اور تمہارے لیے اس میں ہر وہ چیز ہے جو تم مانگو گے۔ یہ مہربانی ہے بہت بخشنے والے ہمیشہ رحم فرمانے والے کی طرف سے"۔

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا عطا نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی، اس کی وجہ یہ بنی کی مشرکین نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے، فرشتے اس کی بیٹیاں ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں تو انہوں نے استقامت کا مظاہرہ نہ کیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: ہمارا رب وحدہ لاشریک ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں تو آپ نے استقامت کا مظاہرہ کیا۔

ترمذی میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (3) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قراءت کی إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فرمایا: "لوگوں نے یہ کہا پھر ان میں سے اکثر نے کفر کیا جو اس پر مر گیا تو وہ ان لوگوں میں سے ہے جنہوں نے استقامت کا مظاہرہ کیا"۔ کہا یہ حدیث غریب ہے۔ اس آیت کی وضاحت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابو بکر صدیق،

1۔ جامع ترمذی، کتاب العلم، ما جاء فی الدال، جلد 2، صفحہ 92

2۔ ایضاً، باب ما جاء الدال علی الخیر کفاعلہ، حدیث نمبر 2597، ضیاء القرآن پبلی کیشنز 3۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ سجدہ، جلد 2، صفحہ 157

حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہم سے معنی مروی ہے۔

حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی سے صحیح مسلم میں روایت مروی ہے کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اسلام میں ایک ایسی نصیحت کریں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی سے بھی سوال نہ کروں (1)۔ فرمایا: ''کہہ میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا پھر اس پر استقامت کا اظہار کر''۔ ترمذی نے اس کا اضافہ کیا ہے میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! جس چیز کے بارے میں آپ مجھ پر زیادہ خوف کھاتے ہیں وہ کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان پکڑی فرمایا: ''یہ'' (2) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے یہ مروی ہے کہ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا کا معنی ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کیا۔ اسود بن بلال نے ان سے روایت کیا ہے کہ آپ نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا: تم ان دو آیات کے بارے میں کیا کہتے ہو اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يَلْبِسُوْۤا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ انہوں نے جواب دیا: انہوں نے استقامت کا مظاہرہ کیا اور گناہ نہ کیے اور اپنے ایمان کو خطا کے ساتھ خلط ملط نہ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: تم نے اسے ایسے معنی پر محمول کیا ہے جو اس کا معنی نہیں ہے قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا مراد ہے وہ کسی اور الہ کی طرف متوجہ نہ ہوئے اٰمَنُوْا وَ لَمْ يَلْبِسُوْۤا اِيْمَانَهُمْ (الانعام: 82) انہوں نے اپنے ایمان کو شرک سے آلودہ نہ کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: اللہ کی قسم! وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے طریقہ پر قائم رہے پھر انہوں نے لومڑی کے مکر جیسے مکر نہ کیے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے پھر انہوں نے عمل کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کیا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: انہوں نے فرائض ادا کیے۔ تابعین کے اقوال بھی اسی معنی میں ہیں۔

ابن زید اور قتادہ نے کہا: انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اطاعت کا مظاہرہ کیا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ اللہ تعالیٰ کے امر پر مستقیم رہے، وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت بجالاتے رہے اور اس کی نافرمانی سے اجتناب کیا (3)۔ مجاہد اور عکرمہ نے کہا: وہ لآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت پر مستقیم رہے یہاں تک کہ وہ فوت ہوگئے۔ سفیان ثوری نے کہا: اس کے موافق عمل کیا۔ ربیع نے کہا: انہوں نے ماسوی اللہ سے اعراض کیا۔

فضیل بن عیاض نے کہا: فانی دنیا میں زہد اختیار کیا اور باقی (آخرت) میں رغبت کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے مخفی طریقہ سے استقامت کا مظاہرہ کیا جس طرح اقرار میں استقامت کا مظاہرہ کیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے فعل میں اسی طرح استقامت کا مظاہرہ کیا جس طرح قول میں استقامت کا مظاہرہ کیا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: رب کعبہ کی قسم! وہ میری امت ہیں۔ امام ابن فورک نے کہا: اس میں سین، طلب کی سین ہے جس طرح استسقی میں طلب کا معنی پایا جاتا ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جامع اوصاف الاسلام، جلد 1، صفحہ 48

2۔ جامع الترمذی، باب ما جاء فی حفظ اللسان، حدیث نمبر 2334، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 417

سوال کیا کہ وہ انہیں دین پر ثابت رکھے۔ حضرت حسن بصری جب اس آیت کو پڑھا کرتے تو کہتے: اے اللہ! تو ہمارا رب ہے ہمیں استقامت عطا فرما (1)۔

میں کہتا ہوں: اگر چہ ان اقوال میں مفہوم باہم ملا ہوا ہے ان کی تلخیص یہ ہے عقیدہ، قول اور عمل میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اعتدال سے کام لو اور اس پر ہمیشگی اختیار کرو۔

تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ابن زید اور مجاہد نے کہا: یہ موت کے وقت ہوگا (2)۔ مقاتل اور قتادہ نے کہا: جب وہ اپنی قبروں سے بعث کے لیے کھڑے ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ آخرت میں فرشتوں کی جانب سے ان کے لیے بشارت ہوگی۔ وکیع اور ابن زید نے کہا: بشارت تین مقامات پر ہوگی موت، قبر اور دوبارہ اٹھانے کے وقت (3)۔

اَلَّا تَخَافُوْا اصل میں باَلّا تخافوا تھا تو حرف جار کو حذف کر دیا گیا۔ مجاہد نے کہا موت سے نہ ڈرو۔ وَ لَا تَحْزَنُوْا اپنی اولاد پر غم نہ کھاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارا ان پر نائب ہے۔ عطا بن ابی رباح نے کہا: اپنے ثواب کے رد کا خوف نہ کرو کیونکہ وہ مقبول ہے، اپنے گناہوں کا غم نہ کرو کیونکہ میں انہیں تمہارے حق میں بخشنے والا ہوں۔ عکرمہ نے کہا: آنے والے وقت کا خوف نہ کرو اور اپنے گناہوں پر غمگین نہ ہو۔

نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ یہ بات انہیں فرشتے کہیں گے جو بشارت لے کر ان پر نازل ہوں گے۔ مجاہد نے کہا: ہم تمہارے ساتھی ہیں دنیا میں ہم تمہارے ساتھ تھے جب قیامت کا دن ہوگا تو کہیں گے: ہم تم سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ تمہیں جنت میں داخل کر دیں۔ سدی نے کہا: ہم دنیا میں تمہارے اعمال کے محافظ تھے اور آخرت میں تمہارے دوست ہوں گے (4)۔ یہ بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے قول ہو کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کا ولی اور مولیٰ ہے۔

وَ لَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ یعنی لذت والی چیزوں میں سے اللہ تعالیٰ جو چاہے گا وَ لَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝ جو تم سوال کرتے ہو اور جس کی تم تمنا کرتے ہو نُزُلًا سے مراد رزق اور ضیافت ہے۔ سورۂ آل عمران مین یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ یہ مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے انزلناہ نزلا۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ نازل کی جمع ہے تقدیر کلام یہ ہوگی لکم ماتدعون نازلین، تَدَّعُوْنَ میں جو ضمیر مرفوع ہے اس سے حال ہے یا لَكُمْ میں جو ضمیر مجرور ہے اس سے حال ہے۔

وَ مَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَ عَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ وَ لَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَ لَا السَّيِّئَةُ ؕ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَ بَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝ وَ مَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَ مَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝ وَ اِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 417 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 180 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

''اور اس شخص سے بہتر کس کا کلام ہے جس نے دعوت دی اللہ کی طرف اور نیک عمل کیے اور کہا کہ میں تو اپنے رب کے فرمانبردار بندوں سے ہوں۔ نہیں یکساں ہوتی نیکی اور برائی، برائی کا تدارک اس نیکی سے کرو جو بہتر ہے ناگہاں وہ شخص تیرے اور اس کے درمیان میں عداوت یوں بن جائیگا گویا تمہارا جانی دوست ہے۔ اور نہیں توفیق دی جاتی ان خصائل حمیدہ کی بجز ان کے جو صبر کرتے ہیں اور نہیں توفیق دی جاتی ان کی مگر بڑے خوش نصیب کو۔ اور اے سننے والے! اگر شیطان کی طرف سے تیرے دل میں کوئی وسوسہ پیدا ہو تو اس کے شر سے اللہ کی پناہ مانگ، یقیناً وہی سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے''۔

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّن دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا جنہوں نے قرآن میں لغویات کرنے کی ایک دوسرے کو وصیت کی تو انہیں شرمندہ کیا جا رہا ہے معنی ہے قرآن سے بہتر کون سا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کی اطاعت کی طرف دعوت دینے والے سے بہتر قول میں کون اچھا ہو سکتا ہے؟ حضرت محمد ﷺ کی ذات ہے۔ ابن سیرین، سدی، ابن زید اور حسن بصری نے کہا: وہ رسول اللہ ﷺ کی ذات ہے (1)۔ حضرت حسن بصری جب یہ آیت پڑھتے تو کہتے: یہ رسول اللہ ﷺ ہیں، یہ حبیب اللہ ہیں، یہ اللہ کے ولی ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی بہترین مخلوق ہیں، اللہ کی قسم! یہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے محبوب ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول کیا اور لوگوں کو ایسے امر کی طرف دعوت دی جس کو اللہ تعالیٰ نے قبول کیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ، عکرمہ، قیس بن ابی حاتم اور مجاہد نے کہا: یہ آیت موذنوں کے حق میں نازل ہوئی۔ فضیل بن رفیدہ نے کہا: میں حضرت عبداللہ بن مسعود کے اصحاب کا موذن تھا مجھے عاصم بن ہبیرہ نے کہا: جب تو آذان کہے اور تو کہے: اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ، تو کہہ میں مسلمانوں میں سے ہوں پھر اس آیت کی تلاوت کی۔

ابن عربی نے کہا: پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور آذان مدنی ہے آذان آیت میں معنی کے اعتبار سے داخل ہو جائے گی نہ یہ کہ یہ قول کے وقت مقصود تھی اس میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی داخل ہوں گے جب انہوں نے نبی کریم ﷺ کے بارے میں اس وقت کہا جب ملعون لوگوں نے آپ ﷺ کے گلے کو دبایا: أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَن يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ (غافر: 28) یہ آیت ان تمام کلاموں کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے جن میں توحید اور ایمان کا ذکر ہو۔

میں کہتا ہوں: تیسرا قول ہے یہ سب سے اچھا ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یہ آیت ہر اس آدمی میں عام ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی (2)۔ قیس بن ابی حازم نے یہی کہا ہے کہا: یہ ہر مومن کے بارے میں نازل ہوئی وَعَمِلَ صَالِحًا کا معنی ہے آذان اور اقامت کے درمیان نماز۔ ابو امامہ نے کہا: آپ نے آذان اور اقامت کے درمیان دو رکعت نماز پڑھی۔ عکرمہ نے کہا: وَعَمِلَ صَالِحًا سے مراد ہے نماز پڑھی اور روزہ رکھا۔ کلبی نے کہا: فرائض ادا کیے (3)۔

میں کہتا ہوں: یہ سب سے اچھی تعبیر ہے جبکہ وہ محارم سے اجتناب اور مستحب امور کو کثرت سے بجا لائے۔ اللہ تعالیٰ بہتر

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 418 2۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 419 3۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 181

جانتا ہے وَّ قَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۳﴾ ابن عربی نے کہا: جو بحث پہلے گزر چکی ہے (1) وہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ یہاں اسلام مراد ہے لیکن جب قول اور تلوار کے ساتھ دعوت اعتقاد اور غلبہ کے لیے ہوتی ہے اور عمل ریاء اور اخلاص کے لیے ہوسکتا ہے یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ وضاحت ضروری ہے ان سب میں اعتقاد اللہ کے لیے ہے اور عمل اس کی رضا کی خاطر ہے۔

مسئلہ: جب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَّ قَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۳﴾ اسے یہ نہیں فرمایا کہ کہے: ان شاء اللہ۔ اس میں اس آدمی کا رد ہے جو یہ کہتا ہے: أنا مسلم ان شاء اللہ۔

وَ لَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَ لَا السَّيِّئَةُ فراء نے کہا: لا زائدہ ہے کلام یوں ہے ولا تستوی الحسنة والسیئة اور یہ شعر پڑھا:

ما كان يَرْضَى رسولُ الله فِعْلَهُمُ والطَّيِّبانِ أبو بكرٍ ولا عمرُ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر دونوں پاکیزہ ہستیاں ان کے عمل پر راضی نہ تھے۔ شعر میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کا ارادہ کیا یعنی توحید جس پر آپ ہیں اور شرک جس پر مشرک ہیں برابر نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حسنہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے اور سیئہ شرک ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حسنہ سے مراد طاعت ہے اور سیئہ سے مراد شرک ہے بعینہ یہ پہلا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حسنہ سے مراد عفو و درگزر ہے اور سیئہ سے مراد انتقام ہے۔ ضحاک نے کہا: حسنہ سے مراد علم ہے اور سیئہ سے مراد فحش ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حسنہ سے مراد آل رسول سے محبت ہے اور سیئہ سے مراد ان سے بغض ہے (2)۔

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ آیت سیف کی وجہ سے یہ منسوخ ہے اور اس میں سے مستحب باقی ہے وہ حسن معاشرت، برداشت کرنا اور چشم پوشی کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: آدمی تیرے ساتھ جہل سازی کرتا ہے اپنے حلم کے ساتھ اس کے جہل کو دور کرے۔ ان سے یہ قول بھی مروی ہے: مراد ایسا آدمی ہے جو دوسرے کو گالی دیتا ہے دوسرا کہتا ہے: اگر تو سچا ہے تو اللہ تعالیٰ مجھے بخش دے اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ تجھے بخش دے، اسی طرح ایک اثر مروی ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہی بات ایک ایسے آدمی سے کہی جس سے آپ نے اس قسم کی اذیت پائی تھی۔

مجاہد نے کہا: بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ سے مراد یہ ہے سلام کہنا جب وہ اپنے دشمن سے ملے؛ یہ عطا کا قول ہے۔ ایک تیسرا قول ہے جو قاضی ابو بکر بن عربی نے احکام میں ذکر کیا ہے (3) جو مصافحہ ہے ایک اثر میں ہے تصافحوا یذهب الغل (4) باہم مصافحہ کیا کرو کینہ جاتا رہتا ہے۔ امام مالک مصافحہ کی رائے نہ رکھتے تھے آپ کی سفیان کے ساتھ ملاقات ہوئی اور مصافحہ کے بارے میں گفتگو کی۔ سفیان نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر طیار سے اس وقت مصافحہ کیا تھا جب آپ حبشہ سے واپس لوٹے تھے۔ امام مالک نے فرمایا: یہ حکم خاص ہے۔ سفیان نے ان سے کہا: جو چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص ہے وہ ہمارے لیے بھی خاص ہے جو آپ کے لیے عام ہے وہ ہمارے لیے بھی عام ہے، مصافحہ ثابت ہے اس

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1662
2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 182
3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1663
4۔ مؤطا امام مالک، کتاب الجامع، ما جاء فی الهاجرة، صفحہ 7-706

کے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔

قتادہ نے روایت کی ہے کہا میں نے حضرت انس سے کہا: رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں مصافحہ کا معمول تھا(1)؟ انہوں نے فرمایا: ہاں۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ ایک اثر ہے: محبت کا کمال ہاتھ پکڑنا ہے۔ محمد بن اسحاق (جو امام مقدم ہے) زہری سے وہ عروہ سے وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت زید بن حارثہ مدینہ طیبہ آئے جبکہ رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں تھے اس نے دروازہ کھٹکھٹایا رسول اللہ ﷺ اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے اس کی طرف بڑھے جبکہ جسم پر پورا لباس نہ تھا اللہ کی قسم! میں نے اس سے قبل اور اس کے بعد آپ کو بے لباس نہ دیکھا رسول اللہ ﷺ نے اس کے ساتھ معانقہ کیا اور اسے بوسہ دیا(2)۔

میں کہتا ہوں: امام مالک سے مصافحہ کا جواز مروی ہے یہی علماء کی جماعت کا نقطہ نظر ہے۔ سورۂ یوسف میں یہ بحث گذر چکی ہے وہاں ہم نے حضرت براء کی حدیث کا ذکر کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو دو مسلمان آپس میں ملتے ہیں ان میں سے ایک اپنے ساتھی کا ہاتھ پکڑتا ہے وجہ دونوں میں محبت اور خلوص ہوا کرتی ہے تو ان کے گناہ ان دونوں کے درمیان گرادیے جاتے ہیں''(3)۔

فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ۞ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ یعنی قریبی دوست۔ مقاتل نے کہا: یہ آیت ابوسفیان بن حرب کے حق میں نازل ہوئی وہ نبی کریم ﷺ کو اذیت پہنچایا کرتا پہلے وہ دشمن تھا بعد میں رشتہ مصاہرت کی وجہ سے دوست بن گیا پھر وہ اسلام لے آیا۔ اسلام میں ولی اور قرابت میں حمیم بن گیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی وہ نبی کریم ﷺ کو اذیتیں دیا کرتا اللہ تعالیٰ نے نبی کریم کو اس پر صبر اور درگزر کا حکم دیا؛ یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے(4)۔ پہلا قول ثعلبی اور قشیری نے ذکر کیا ہے وہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ۞ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے حکم تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں غضب کے وقت صبر، جہل کے وقت حلم، زیادتی کے وقت عفو کا حکم دیا جب لوگ ایسا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں شیطان سے محفوظ رکھتا ہے اس کے دشمن کو زیر کر دیتا ہے۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت علی شیر خدا کے غلام قنبر کو گالی دی حضرت علی شیر خدا نے اپنے غلام کو آواز دی: اے قنبر! اپنے گالی دینے والے کو چھوڑ دو، اس سے بے نیاز ہو جا رحمٰن تجھ سے راضی ہوگا شیطان ناراض ہوگا اور تو اپنے گالی دینے والے کو سزا دے گا احمق کو اس سے بڑھ کر کوئی سزا نہیں کہ اس کو جواب نہ دیا جائے انہوں نے یہ اشعار ذکر کیے:

وَلَلْكَفُّ عن شَتْمِ اللَّئيم تكرُّمًا أَضَرُّ له مِنْ شَتْمِهِ حين يُشْتَمُ

1۔ جامع ترمذی، کتاب الاستیذان، ماجاء فی المصافحہ، جلد 2، صفحہ 97

2۔ جامع ترمذی، کتاب الاستیذان، ماجاء فی المصافحۃ، جلد 2، صفحہ 98-97

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الأدب، باب فی المصافحۃ، جلد 2، صفحہ 352

4۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 182

شرافت کی بنا پر کمینے آدمی کو گالی پر جواب نہ دینا اس کے لیے زیادہ تکلیف دہ ہے بنسبت اس کے کہ گالی کے وقت اسے گالی دی جائے۔

ایک اور نے کہا:

وما شیءٌ أحبُّ إلی سفیہٍ إذا سَبَّ الکریمَ مِن الجَوَابِ
مُتَارَکَۃُ السَّفِیہِ بلا جوابٍ أَشَدُّ علی السَّفِیہِ من السِّبابِ

بے وقوف کے لیے جو سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب نہیں جب وہ جو کریم کو گالی دے۔ جواب کے بغیر سفیہ کو چھوڑ دینا سفیہ بے وقوف کے لیے گالی دینے سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔

محمود وراق نے کہا:

سَأُلزِمُ نفسي الصَّفحَ عن کلّ مذنبٍ وإن کَثُرَتْ منہ لَدَیّ الجَرائمُ

میں ہر گناہگار سے درگذر کرنا اپنے اوپر لازم کرتا ہوں اگرچہ اس کے جرائم میرے ہاں بہت زیادہ ہو جائیں۔

فما الناس إلّا واحدٌ من ثلاثۃٍ شریفٌ ومَشْہُوفٌ ومِثْلٌ مقاومُ
فأمّا الذی فَوْقِی فَأَعرِفُ قَدْرَہٗ وَأَتْبَعُ فیہ الحَقَّ وَالحَقُّ لازِمُ

لوگ تینوں میں سے ایک ہی ہوتا ہے شریف، کمینہ اور مدمقابل جو مجھ سے بلند مرتبہ ہے میں اس کی قدر و منزلت کو پہچانتا ہوں اور میں اس کے بارے میں حق کی اتباع کرتا ہوں اور حق لازم ہے۔

وأمّا الذِی دونِی فإنْ قالَ صُنْتُ عن إجابتِہ عِرضِی وإن لَامَ لَائِمُ

جو مجھ سے مرتبہ میں کم ہے اگر وہ کچھ بات کرے تو میں اپنی عزت کو اس کا جواب دینے سے محفوظ رکھتا ہوں اگرچہ ملامت کرنے والا ملامت کرے۔

وأمّا الذِی مِثلِی فإنْ زَلَّ أوھفا تَفَضَّلْتُ إنّ الفَضْلَ بالحِلمِ حاکِمُ

جو مرتبہ میں میری مثل ہے اگر وہ لغزش کرے تو میں بڑائی کا اظہار کروں بے شک فضیلت کا فیصلہ حلم کے ساتھ ہی ہونے والا ہوتا ہے۔

وَمَا يُلَقّٰهَآ ھا ضمیر سے مراد معزز فعل اور اعلیٰ خصلت ہے اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا جو غصہ پی کر اور اذیت برداشت کر کے صبر کرتے ہیں وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۞ حظ عظیم سے مراد بھلائی میں سے وافر حصہ ہے؛ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے(1): قتادہ اور مجاہد نے کہا: حَظٍّ عَظِيْمٍ سے مراد جنت ہے(2)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: حظ جنت کے بغیر کبھی بھی عظیم نہیں ہوتا(3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: يُلَقّٰهَآ میں ضمیر سے مراد جنت ہے یعنی جنت صرف صابر لوگ ہی پاتے ہیں۔ معنی قریب قریب ہے۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 182 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

وَ مِنْ اٰیٰتِهِ الَّیْلُ وَ النَّهَارُ وَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ ؕ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَ لَا لِلْقَمَرِ وَ اسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ یُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَ هُمْ لَا یَسْـَٔمُوْنَ ۝ وَ مِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ ؕ اِنَّ الَّذِیْۤ اَحْیَاهَا لَمُحْیِ الْمَوْتٰى ؕ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝

''اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے رات بھی ہے اور دن بھی، سورج بھی ہے اور چاند بھی مت سجدہ کرو سورج اور چاند کو بلکہ سجدہ کرو اللہ کو جس نے انہیں پیدا فرمایا ہے اگر تم واقعی اس کے پرستار ہو۔ پھر بھی اگر وہ تکبر کرتے رہیں تو ان کی قسمت پس وہ فرشتے جو آپ کے رب کے پاس ہیں تسبیح کرتے رہتے ہیں اس کی شب و روز اور وہ نہیں تھکتے۔ اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ تو دیکھتا ہے زمین کو کہ وہ کس وقت خشک بنجر ہے پھر جب ہم اتارتے ہیں ان پر بارش کا پانی تو جھومنے لگتی ہے اور کھل اٹھتی ہے، بے شک وہ قادر مطلق ہے جس نے زندہ کر دیا ہے زمین کو وہی زندہ کرنے والا ہے مردوں کا بلاشبہ وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے''۔

اٰیٰتِهٖ سے مراد وہ علامات ہیں جو اس کی وحدانیت اور قدرت پر دلالت کرتی ہے الَّیْلُ وَ النَّهَارُ وَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ یہ بحث کئی مواقع پر گزر چکی ہے۔ پھر ان دونوں کو سجدہ کرنے سے منع کیا اگرچہ یہ دونوں عظیم مخلوق ہیں لیکن ان میں یہ فضیلت ان کی حالت کی وجہ سے نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ وہ عبادت کے مستحق بن جائیں کیونکہ ان دونوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کو نیست و نابود کر دے یا ان کے نور کو ختم کر دے۔

وَ اسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اللہ تعالیٰ نے انہیں صورت عطا کی اور انہیں مسخر کیا ضمیر سورج، چاند، رات اور دن کی طرف لوٹتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ خاص کر سورج اور چاند کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ تثنیہ بھی جمع ہوا کرتا ہے، ایک قول یہ کیا گیا ہے: ضمیر آیات کے معنی کی طرف لوٹ رہی ہے۔

ضمیر کو مونث ذکر کیا ہے جمع مذکر ہونے کی بنا پر اس میں مذکر و مونث کے اعتبار سے تغلیب کا قاعدہ جاری نہیں کیا کیونکہ یہ ایسے اسماء ہیں جو ذوالعقول ہیں۔

فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا یعنی کفار اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنے سے تکبر کریں فَالَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ اسم موصول سے مراد ملائکہ ہیں یُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَ هُمْ لَا یَسْـَٔمُوْنَ ۝ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے نہیں اکتاتے۔ زہیر نے کہا:

سَئِمْتُ تَكَالِیفَ الحیاۃِ ومَنْ یَعِشْ ثمانِینَ حَوْلًا لا اَبَالَكَ یَسْاَمِ

میں زندگی کے امور سے اکتا گیا اور جو آدمی اسی سال کا ہو جائے۔ تیرا باپ نہ رہے۔ وہ اکتا جاتا ہے۔

مسئلہ: یہ آیت بلا اختلاف آیۂ سجدہ ہے سجود کے محل کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام مالک نے کہا: اس کا

محل اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ ہے کیونکہ یہ امر کے ساتھ متصل ہے۔ حضرت علی شیر خدا، حضرت ابن مسعود اور دوسرے علماء تَعْبُدُوْنَ پر سجدہ کرتے تھے۔ ابن وہب اور امام شافعی نے کہا: اس کا محل وَ هُمْ لَا يَسْـَٔمُوْنَ ہے کیونکہ یہی کلام کا تمہ، عبادت اور اطاعت کی غایت ہے امام اعظم ابوحنیفہ کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما يَسْـَٔمُوْنَ پر سجدہ کیا کرتے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ان دونوں میں سے اخری پر سجدہ کرو۔ مسروق، ابو عبدالرحمٰن سلمی، ابراہیم نخعی، ابوصالح، یحییٰ بن وثاب، طلحہ، زبید یمانی، حسن بصری اور ابن سیرین سے اسی طرح مروی ہے۔ ابووائل، قتادہ اور بکر بن عبداللہ يَسْـَٔمُوْنَ پر سجدہ کیا کرتے تھے (1)۔ ابن عربی نے کہا: امر قریب ہے (2)۔

مسئلہ: ابن خویز منداد نے ذکر کیا ہے یہ آیت چاند گرہن اور سورج گرہن والی نماز کو متضمن ہے کیونکہ عرب کہا کرتے تھے: سورج اور چاند کو گرہن عظیم آدمی کی وفات سے ہوتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلاۃ کسوف پڑھی ہے۔

میں کہتا ہوں: صلاۃ کسوف صحاح بخاری و مسلم وغیر ہما میں ثابت ہے اس نماز کی کیفیت میں بہت زیادہ اختلاف ہے کیونکہ آثار مختلف ہیں صحیح مسلم میں جو کچھ ہے وہ تیرے لیے کافی ہے اس باب میں وہی بہترین ہے، اللہ تعالیٰ صحیح کی توفیق دینے والا ہے۔

وَ مِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً خطاب ہر دانشمند کو ہے اس کی آیات جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرتا ہے اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً تو زمین کو خشک اور بنجر دیکھے گا۔ یہ زمین کی خشوع سے صفت بیان کرنا ہے۔ نابغہ نے کہا:

رمادٌ ككُحْلِ العَيْنِ لأيًا أُبِينُهُ ونُؤْيٌ كجِذْمِ الحَوْضِ أَثْلَمُ خَاشِعُ

الْاَرْضَ خَاشِعَةً سے مراد ایسی مٹی ہے جو فصل نہ اگائے بلد خاشعة سے مراد ایسی زمین ہے جس کی کوئی منزل نہ ہو اسی طرح مکان خاشع ہے۔

فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ یعنی نباتات سے جھومنے لگتی ہے (3)، یہ مجاہد کا قول ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: اهتزالانسان یعنی انسان نے حرکت کی اسی معنی میں یہ قول ہے:

تراہ كنَصْلِ السيفِ يَهْتَزُّ لِلنَّدى تو اسے دیکھے گا کہ وہ تلوار کے پھل کی طرح سخاوت کے لیے جھومتا ہے۔

وَ رَبَتْ وہ پھول جاتی ہے، یہ مجاہد کا قول ہے یعنی اپنی موت کے بعد نباتات سے اوپر کو اٹھ آتی ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر کلام میں تقدیم و تاخیر ہے ربت و اهتزت، اهتزاز اور ربو بعض اوقات زمین سے نکلنے سے پہلے ہوتا ہے اور بعض اوقات سطح زمین کی طرف نکلنے کے بعد ہوتا ہے اس کے ربو سے مراد اس کا بلند ہونا ہے بلند جگہ کو رهوۃ اور رابية کہتے ہیں نبات ظاہر ہونے کے لیے حرکت کرتی ہے پھر طولاً اور عرضاً اس کا جسم بڑا ہو جاتا ہے۔ ابوجعفر اور خالد نے و ربأت پڑھا ہے اس کا معنی عظیم الجثہ ہونا ہے، یہ ربيئة سے مشتق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ بارش سے خوش ہوئی اور نبات سے پھول گئی زمین جب

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 419 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 184 3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1664

نبات سے پھٹتی ہے تو خشک کے ساتھ اس کی صفت بیان کی جاتی ہے اس کی صفت استبشار سے لگانا بھی جائز ہے کہ ربو اور اھتزاز ایک ہی چیز ہے یہ نبات کے نکلنے کی حالت ہے۔ سورۂ حج میں یہ معنی گذر چکا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْۤ اَحْیَاهَا لَمُحْیِ الْمَوْتٰى ؕ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کئی مواقع پر اس کی بحث گذر چکی ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَا ؕ اَفَمَنْ یُّلْقٰى فِی النَّارِ خَیْرٌ اَمْ مَّنْ یَّاْتِیْۤ اٰمِنًا یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ ۚ وَ اِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِیْزٌ ۝ لَّا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَكِیْمٍ حَمِیْدٍ ۝ مَا یُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِیْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّ ذُوْ عِقَابٍ اَلِیْمٍ ۝

"بے شک جو لوگ ہماری آیتوں میں اپنی طرف سے اضافے کرتے ہیں وہ ہم سے چھپے ہوئے نہیں ہیں تو کیا جو پھینکا جائے گا آگ میں وہ بہتر ہے یا جو آئیگا امن و سلامتی کے ساتھ قیامت کے دن (وہ بہتر ہے) تم وہ کرو جو تمہاری مرضی، یقیناً جو کچھ تم کرتے ہو وہ خود دیکھ رہا ہے۔ بے شک وہ لوگ جنہوں نے قرآن کو ماننے سے انکار کیا جب وہ ان کے پاس آیا تو (وہ ہٹ دھرم لوگ ہیں) اور بے شک وہ بڑی عزت (حرمت) والی کتاب ہے اس کے نزدیک نہیں آسکتا باطل نہ اس کے سامنے سے اور نہ پیچھے سے، یہ اتری ہوئی ہے بڑے حکمت والے سب خوبیاں سراہے کی طرف سے۔ (اے حبیب!) نہیں کہا جاتا آپ کو مگر وہی جو کچھ کہا گیا پیغمبروں کو آپ سے پہلے۔ بے شک آپ کا پروردگار اہل ایمان کے لیے بہت بخشنے والا اور (منکرین کے لیے) دردناک عذاب دینے والا ہے"۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا یعنی ہمارے دلائل میں حق سے روگردانی کرتے ہیں۔ الحاد کا معنی ایک طرف جھکنا اور صراط مستقیم کو چھوڑنا ہے اسی سے قبر میں لحد ہے کیونکہ اسے قبر سے ایک طرف بنایا گیا ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: الحد فی دین اللہ یعنی اس سے ایک طرف ہو گیا لحد اس میں ایک لغت ہے یہ کلام بھی انہیں کے متعلق ہے جنہوں نے کہا: لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَ الْغَوْا فِیْهِ وہی لوگ ہیں جنہوں نے ہماری آیات میں الحاد کیا اور حق سے ایک طرف جھک گئے انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ کی جانب سے نہیں ہے وہ شعر ہے یا جادو ہے۔ آیات سے مراد قرآن کی آیات ہیں۔ مجاہد نے کہا: یُلْحِدُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا سے مراد ہے وہ قرآن کی تلاوت کے موقع پر شور کرنے، لغو اور غناء کرنے کے ساتھ الحاد کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا معنی کلام کو تبدیل کرنا اور بے موقع اسے رکھنا ہے۔ قتادہ نے کہا: معنی ہے وہ ہماری آیات میں جھوٹ بولتے ہیں (1)۔ سدی نے کہا: وہ دشمنی اور مخالفت کرتے ہیں۔ ابن زید نے کہا: وہ شرک کرتے ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں، سب معنی قریب قریب ہیں۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 185

مقاتل نے کہا: یہ آیات ابو جہل کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آیات سے مراد معجزات ہیں، یہ پہلے قول کی طرف راجع ہے کیونکہ قرآن حکیم معجز ہے۔

اَفَمَنْ یُّلْقٰى فِی النَّارِ کہا: وہ جسے منہ کے بل آگ میں ڈالا جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء کے نزدیک وہ ابو جہل ہے خَیْرٌ اَمْ مَّنْ یَّاْتِیْۤ اٰمِنًا یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مَّنْ یَّاْتِیْۤ سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، یہ مقاتل کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد حضرت عمار بن یاسر ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد حضرت حمزہ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد حضرت عمر بن خطاب ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ابو سلمہ بن عبد الاسد مخزومی ہیں ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد مومنین ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عام ہے جسے آگ میں پھینکا جائے گا اس سے مراد کافر ہے جو قیامت کے روز امن سے آئے گا وہ مومن ہے۔ یہ ابن بحر کا قول ہے (1)۔

اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ یہ امر تہدید کے لیے ہے یہ جاننے کے بعد کہ وہ برابر نہیں ہو سکتے تو تمہارے لیے جزاء لازمی ہے اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝ یہ تہدید کے ساتھ وعید اور وعدہ ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ تمام کے اقوال میں یہاں ذکر سے مراد قرآن ہے کیونکہ اس میں احکام ہیں جن کی انہیں ضرورت ہے خبر محذوف ہے تقدیر کلام ھالکون أو معذبون ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: خبر اُولٰٓىِٕكَ یُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِیْدٍ ۝ درمیان میں مَا یُقَالُ لَكَ جملہ معترضہ ہے پھر ذکر کی طرف کلام کو لوٹایا اور فرمایا وَ لَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِیًّا پھر فرمایا اُولٰٓىِٕكَ یُنَادَوْنَ پہلا قول پسندیدہ ہے۔ نحاس نے کہا: نحویوں کے نزدیک سب اقوال درست ہیں جنکا میں علم رکھتا ہوں۔

وَ اِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِیْزٌ ۝ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں معزز ہے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ان سے ایک قول یہ مروی ہے: اللہ تعالیٰ کی جانب سے معزز ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عزیز کا معنی کریم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے غالب کیا ہے باطل اس میں راہ نہیں پا سکتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مناسب یہ ہے کہ اس کی عزت کی جائے اس کی عظمت شان کا اظہار کیا جائے اور اس میں کوئی لغو عمل نہ کیا جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ اس چیز سے محفوظ ہے کہ شیطان اس میں تبدیلی کرے؛ یہ سدی کا قول ہے (2)۔ مقاتل نے کہا: یہ شیطان اور باطل سے محفوظ ہے۔ سدی نے کہا: یہ غیر مخلوق ہے اس کی کوئی مثل نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: عزیز کا معنی ہے اس سے ممتنع ہے کہ لوگ اس قسم کی کلام کریں (3)۔

لَّا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖ جو اس سے قبل نازل ہوا وہ اس کی تکذیب نہیں کرتا اور نہ اس کے بعد کوئی کتاب نازل ہوگی جو اسے باطل اور منسوخ کر دے؛ یہ کلبی کا قول ہے۔ سدی اور قتادہ نے کہا: اس کے پاس شیطان نہیں آتا وہ طاقت نہیں رکھتا کہ اس میں تبدیلی کرے نہ اس میں اضافہ کر سکتا ہے اور نہ کمی کر سکتا ہے۔

سعید بن جبیر نے کہا: اس میں تکذیب داخل نہیں ہو سکتی۔ ابن جریج نے کہا: اس میں باطل نہیں آ سکتا جو ان چیزوں میں

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 185 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

جن کی زمانہ گذشتہ کے اعتبار سے خبر دی اور نہ ہی اس میں جن کی زمانہ آئندہ کے اعتبار سے خبر دی (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: مِنۡۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ سے مراد اللہ تعالیٰ اور مِنۡ خَلۡفِهٖ سے مراد حضرت جبریل امین ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تَنۡزِيۡلٌ مِّنۡ حَكِيۡمٍ حَمِيۡدٍ۞ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ اپنی مخلوق میں حکیم اور محمود ہے۔ قتادہ نے کہا اپنے امر میں حکیم اور اپنی مخلوق میں محمود ہے (2)۔

مَا يُقَالُ لَكَ اذیت اور تکذیب میں سے جو بات کی جاتی ہے اِلَّا مَا قَدۡ قِيۡلَ لِلرُّسُلِ مِنۡ قَبۡلِكَ اس میں اپنے نبی کو تسلی دینا مقصود ہے اِنَّ رَبَّكَ لَذُوۡ مَغۡفِرَةٍ تجھے اور تیرے صحابہ کو بخشنے والا ہے وَّذُوۡ عِقَابٍ اَلِيۡمٍ۞ تیرے دشمنوں کے لیے دردناک عذاب دینے والا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ کو جو یہ کہا جاتا ہے کہ اپنی عبادت کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کرو وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: وَلَقَدۡ اُوۡحِىَ اِلَيۡكَ وَاِلَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكَ ۚ لَئِنۡ اَشۡرَكۡتَ لَيَحۡبَطَنَّ عَمَلُكَ (الزمر: 65) یعنی آپ انہیں دعوت نہ دیں مگر اسی کی طرف جس کی طرف تمام انبیاء دعوت دیتے رہے ہیں اس لیے وہ آپ کا انکار کرتے ہیں اس کا کوئی معنی نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ استفہام ہے تقدیر کلام ہے: ای شئ یقال لك الا ما قیل للرسل من قبلك۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اِنَّ رَبَّكَ نئی کلام ہے اس سے قبل کلام مکمل ہے جب خبر مضمر ہو، ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کلام مَا يُقَالُ لَكَ کے ساتھ متصل ہے اِنَّ رَبَّكَ لَذُوۡ مَغۡفِرَةٍ وَّذُوۡ عِقَابٍ اَلِيۡمٍ۞ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو انذار اور تبشیر کا حکم دیا گیا ہے۔

وَلَوۡ جَعَلۡنٰهُ قُرۡاٰنًا اَعۡجَمِيًّا لَّقَالُوۡا لَوۡلَا فُصِّلَتۡ اٰيٰتُهٗ ؕ ءَاَعۡجَمِىٌّ وَّعَرَبِىٌّ ؕ قُلۡ هُوَ لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا هُدًى وَّشِفَآءٌ ؕ وَالَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ فِىۡۤ اٰذَانِهِمۡ وَقۡرٌ وَّهُوَ عَلَيۡهِمۡ عَمًى ؕ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوۡنَ مِنۡ مَّكَانٍۢ بَعِيۡدٍ۞

"اور بالفرض ہم اسے بنا کر بھیجتے قرآن عجمی زبان میں تو کہتے کیوں نہ کھول کر بیان کی گئیں اس کی آیتیں کیا (اچھا ہے) کتاب عجمی اور نبی عربی۔ آپ فرمائیے: یہ قرآن ایمان لانے والوں کے لیے تو ہدایت اور شفا ہے اور جو ایمان نہیں لائے ان کے کانوں میں بہرہ پن ہے اور وہ ان پر ہر حال میں مشتبہ رہتا ہے، انہیں گویا بلایا جاتا ہے دور کی جگہ سے"۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَلَوۡ جَعَلۡنٰهُ قُرۡاٰنًا اَعۡجَمِيًّا یعنی یہ عربی لغت میں نہ ہوتا لَّقَالُوۡا لَوۡلَا فُصِّلَتۡ اٰيٰتُهٗ یعنی اس کی آیات ہماری زبان میں کیوں نہ بیان کی گئیں کیونکہ ہم عرب ہیں ہم عجمی زبان کو تو نہیں سمجھتے تو یہ واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ان کی زبان میں نازل فرمایا تاکہ اعجاز کی حقیقت ان پر واضح ہو جائے کیونکہ نظم و نثر کے اعتبار سے وہ کلام کی اقسام کو خوب جانتے تھے۔ جب وہ اس کے مقابلہ سے عاجز آ گئے تو یہ سب سے قوی دلیل بن گئی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اگر یہ عجمی

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 186 2۔ ایضاً

زبان میں ہوتا تو کہتے ہمیں اس زبان کا علم نہیں۔

مسئلہ نمبر 2۔ جب یہ بات ثابت ہے تو اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ قرآن عربی ہے اور یہ لغت عرب میں نازل ہوا ہے یہ عجمی زبان میں نازل نہیں ہوا اور جب اسے کسی اور زبان میں نقل کیا جائے گا وہ قرآن نہ ہوگا۔

مسئلہ نمبر 3۔ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ابوبکر، حمزہ، کسائی نے اسے ااعجمی وعربی دو ہمزوں کے ساتھ پڑھا ہے۔ عجمی اسے کہتے ہیں جو عربی نہ ہو خواہ فصیح ہو یا نہ ہو، اعجمی اسے کہتے ہیں جو فصیح نہیں ہوتا وہ عربی ہو یا عجمی ہو۔ اعجم، فصیح کی ضد ہے وہ وہ ہوتا ہے جو اپنے کلام کی وضاحت نہیں کرسکتا حیوان جو غیر ناطق ہے اسے اعجم کہتے ہیں اسی معنی میں یہ ارشاد ہے: صلاۃ النہار عجباء اس میں قراءت بلند آواز سے نہیں کی جاتی۔ اعجم کی طرف نسبت زیادہ موکد ہے کیونکہ عجمی کی طرف نسبت بیان میں زیادہ موکد ہے معنی ہوگا کیا قرآن عجمی اور نبی عربی ہو؟ یہ استفہام انکاری ہے۔ حضرت حسن بصری، ابوالعالیہ، نصر بن عاصم، مغیرہ اور ہشام نے ابن عامر سے اعجمی ایک ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے معنی ہوگا اس کی آیات کو کیوں بیان نہیں کیا گیا ان میں سے کوئی عربی تھا تو وہ عربی سمجھ لیتا اور کوئی عجمی تھا تو وہ عجمی سمجھ لیتا۔

سعید بن جبیر نے روایت نقل کی ہے کہ قریش نے کہا: قرآن عجمی اور عربی کیوں نازل نہیں کیا گیا اس کی بعض آیات عجمی ہوتیں اور بعض عربی ہوتیں؟ تو یہ آیت نازل ہوئی قرآن حکیم میں ہر لغت سے کچھ نہ کچھ نازل کیا گیا ہے ان میں سجیل بھی ہے یہ فارسی ہے اس کی اصل سنگ گل ہے یعنی مٹی اور پتھر۔ اسی سے ایک لفظ فردوس ہے یہ رومی زبان کا لفظ ہے اسی طرح قسطاس ہے۔ اہل حجاز، ابوعمرو، ابن ذکوان اور حفص نے استفہام کے انداز میں پڑھا ہے مگر انہوں نے اپنے اصول کے مطابق ہمزہ کو لین کر کے پڑھا ہے صحیح قراءت استفہام کی قراءت ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ قرآن شک، ریب اور درد سے ہدایت اور شفا ہے ہر اس آدمی کے لیے جو اس پر ایمان لایا۔

وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ یعنی قرآن کے سننے سے بہرے ہیں، اسی وجہ سے وہ آپس میں باہم لغو عمل کی وصیت کرتے ہیں اس آیت کی مثل وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝ (الاسراء) ہے یہ بحث مکمل گذر چکی ہے عام قراءت عَمًى ہے یہ مصدر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت عمرو بن عاص، حضرت معاویہ اور سلیمان بن قتہ نے اسے وھو علیھم عمٍ میم کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے یعنی ان کے لیے وہ واضح نہیں ابوعبید نے پہلی قراءت کو پسند کیا کیونکہ سب لوگوں کا اس پر اجماع ہے کیونکہ پہلا قول ہے: هُدًى وَّشِفَآءٌ اگر یہ ھاد اور شاف ہوتا تو عمی میں کسرہ عمدہ ہوتا تا کہ یہ نعت ہوتا تقدیر کلام یہ بنتی ہے جو ایمان نہیں رکھتے قبول کو ترک کرنے میں ان کے قائم مقام ہیں جن کے کانوں میں ثقل ہے اور قرآن ان پر عمی والا ہے کیونکہ وہ سمجھتے نہیں تو مضاف کو حذف کر دیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے وَقْرٌ ہی ان پر عَمًى ہے۔

اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ ۝ یہ قول اس آدمی کے لیے کیا جاتا ہے جو تمثیل کو نہیں سمجھتا۔ اہل لغت نے حکایت

بیان کی ہے کہ جو آدمی سمجھتا ہے اس کے بارے میں کہا جاتا ہے: انت تسمع من قریب اور جو نہیں سمجھتا تو اس کے بارے میں کہا جاتا ہے: انت تنادی من بعید گویا اسے دور سے ندادی جاتی ہے تو وہ آواز کو نہیں سنتا اور اسے نہیں سمجھتا۔ ضحاک نے کہا: قیامت کے روز انہیں قبیح ترین نام سے بلایا جائے گا مِنۡ مَّکَانٍۭ بَعِیۡدٍ یہ ان کے لیے شدید ترین ہوگا مقصد انہیں شرمندہ کرنا اور ذلیل کرنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس نے قرآن میں تدبر نہیں کیا تو وہ اعمی اور اصم کی طرح ہوگا تو اسے دور کے مکان سے ندا کی جاتی ہے بلانے والے کی آواز اس تک نہیں پہنچتی تو وہ نہیں سنتا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ اور مجاہد نے کہا: وہ ان کے دلوں سے دور ہے (1)۔ تفسیر میں ہے گویا انہیں آسمان سے ندا کی جاتی ہے تو وہ اسے نہیں سنتے: نقاش نے یہ معنی بیان کیا ہے۔

وَ لَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ فَاخۡتُلِفَ فِیۡہِ ؕ وَ لَوۡ لَا کَلِمَۃٌ سَبَقَتۡ مِنۡ رَّبِّکَ لَقُضِیَ بَیۡنَہُمۡ ؕ وَ اِنَّہُمۡ لَفِیۡ شَکٍّ مِّنۡہُ مُرِیۡبٍ ﴿۴۵﴾ مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفۡسِہٖ وَ مَنۡ اَسَآءَ فَعَلَیۡہَا ؕ وَ مَا رَبُّکَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِیۡدِ ﴿۴۶﴾

”اور ہم نے عطا فرمائی موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب پس اس میں بھی بہت اختلاف کیا گیا اور اگر ایک بات طے نہ ہوئی ہوتی آپ کے رب کی طرف سے تو (ابھی) فیصلہ کر دیا جاتا ان کے درمیان اور بے شک وہ ایک شک میں مبتلا ہیں اس کے بارے میں جو بے چین کر دینے والا ہے۔ جو نیک عمل کرتا ہے تو اپنے بھلے کے لیے اور جو برائی کرتا ہے اس کا وبال اس پر ہے اور آپ کا رب تو بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں“۔

الۡکِتٰبَ سے مراد تورات ہے فَاخۡتُلِفَ فِیۡہِ یعنی کچھ لوگ ایمان لائے اور کچھ نے جھٹلایا۔ ضمیر کتاب کی طرف راجع ہے۔ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جارہی ہے یعنی آپ کی قوم جو آپ کی کتاب میں اختلاف کرتی ہے وہ آپ کو غمگین نہ کرے جو آپ سے قبل انبیاء ہو گزرے ہیں ان کی کتابوں میں بھی اختلاف کیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ضمیر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہے۔

وَ لَوۡ لَا کَلِمَۃٌ سَبَقَتۡ مِنۡ رَّبِّکَ یعنی انہیں مہلت دینے کا فیصلہ پہلے نہ ہو چکا ہوتا تو ان کے عذاب کے جلدی آنے کا فیصلہ کر دیا جاتا۔ وہ قرآن کے بارے میں سخت شک میں مبتلا ہیں۔ اس کے بارے میں بحث پہلے گزر چکی ہے۔ کلبی نے اس آیت کے بارے میں فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ اس وقت کے عذاب کو قیامت تک موخر نہ کرتا تو انہیں عذاب آچکا ہوتا جس طرح اللہ تعالیٰ نے دوسری امتوں کے ساتھ کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے عذاب میں تاخیر اس وجہ سے ہوئی کہ ان کی صلبوں سے مومن نکلنے والے تھے۔

مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفۡسِہٖ یہ کلام شرط اور جواب ہے، اسی طرح یہ کلام ہے وَ مَنۡ اَسَآءَ فَعَلَیۡہَا اللہ تعالیٰ بندوں کی اطاعت سے مستغنی ہے پس جو اطاعت کرے اس کے لیے ثواب ہے اور جو برائی کرے عقاب اسی پر ہوگا وَ مَا رَبُّکَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِیۡدِ ﴿۴۶﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات سے تھوڑے اور زیادہ ظلم سے نفی کی۔ جب مبالغہ کی نفی ہوئی تو غیر کی بھی نفی ہوگئی اس کی

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 187

دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا (یونس: 44) عادل ثقہ، ائمہ ثبات نے زاہد عادل سے امین ارض سے وہ امین السماء سے وہ رب تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں فرمایا: اے میرے بندو! میں نے اپنی ذات پر ظلم کو حرام کر دیا ہے اور میں نے اسے تمہارے درمیان حرام کر دیا تم باہم ظلم نہ کیا کرو نیز وہ حکیم و مالک ہے مالک اپنی مملوکہ چیز میں جو تصرف کرے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا کیونکہ اسے اپنی مملوکہ چیز میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرنے کا حق ہوتا ہے۔

اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ؕ وَ مَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَ مَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَ لَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَ يَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَآءِيْ ۙ قَالُوْۤا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ ۚ﴿۴۷﴾ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَ ظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿۴۸﴾

''اسی طرف لوٹایا جاتا ہے قیامت کا علم اور نہیں نکلتا کوئی پھل اپنے غلافوں سے اور نہ حاملہ ہوتی ہے اور نہ بچہ جنتی ہے اس کے علم کے بغیر، اور جس روز وہ انہیں پکارے گا کہ کہاں ہیں میرے شریک کہیں گے ہم (پہلے) عرض کر چکے ہیں ہم میں سے کوئی بھی (اس پر) گواہی نہ دے گا، اور گم ہو جائیں گے ان سے جن کی وہ پہلے عبادت کیا کرتے تھے اور وہ یقین کر لیں گے کہ اب بھاگ جانے کی کوئی جگہ نہیں''۔

اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ یعنی کب وہ قائم ہوگی؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے کہا: اے محمد! اگر تو نبی ہے تو ہمیں بتاؤ قیامت کب برپا ہوگی؟ تو یہ آیت نازل ہوئی وَ مَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ من زائدہ ہے، مراد ہے جو اس کا پھل نکلتا ہے مِّنْ اَكْمَامِهَا اپنے برتنوں سے۔ اکمام پھلوں کے برتن ہوتے ہیں اس کی واحد کمۃ ہے یہ مال اور دوسری چیزوں کا برتن ہوتا ہے اسی وجہ سے گابھے کے چھلکے کو کمۃ کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کمہ، کفریٰ اس وقت ہوتا ہے جو ابھی پھٹا نہ ہو جب وہ پھٹ جائے تو وہ کمہ نہیں ہوتا۔ سورۃ الرحمٰن میں اس کی مزید وضاحت آئیگی۔ نافع، ابن عامر اور حفص نے جمع کا صیغہ مِنْ ثَمَرٰتٍ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے واحد کا صیغہ پڑھا ہے مراد جمع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ مَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى یہاں بھی جمع مراد ہے فرماتا ہے: قیامت کا علم اسی کی طرف لوٹایا جاتا ہے جس طرح پھلوں اور بچوں کے جننے کا علم اسی کی طرف لوٹایا جاتا ہے۔

وَ يَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اللہ تعالیٰ مشرکین کو ندا کرے گا: اَيْنَ شُرَكَآءِيْ دنیا میں جن کے بارے میں تم گمان کیا کرتے تھے کہ وہ الٰہ ہیں اور سفارش کریں گے وہ کہاں ہیں؟ قَالُوْۤا بتوں نے کہا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد مشرک ہیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ مراد عابد اور معبود سب ہیں اٰذَنّٰكَ ہم نے تجھے سنایا اور تجھے آگاہ کیا کہا جاتا ہے آذن یؤذن جب وہ آگاہ کرے، کہا:

آذنتنا ببینها أسماء اسماء نے اپنے بیٹوں کے بارے میں ہمیں آگاہ کیا۔

مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ ﴿۴۷﴾ ہم تجھے آگاہ کرتے ہیں ہمارے پاس کوئی بھی ایسا نہیں جو اس امر کی گواہی دے کہ تیرا کوئی شریک ہے۔ جب انہوں نے قیامت کو دیکھا تو انہوں نے بتوں سے براءت کا اظہار کیا اور بتوں نے ان سے براءت کا اظہار کر دیا، جس طرح یہ بحث کئی مواقع پر گزر چکی ہے۔

وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ دنیا میں جن کی وہ عبادت کیا کرتے تھے وہ سب ان سے گم ہو جائیں گے اور انہیں یقین ہو جائے گا کہ آگ سے فرار کی کوئی صورت نہیں یہاں ماحرف ہے اسم نہیں اس وجہ سے ظن نے اس میں عمل نہیں کیا اور فعل کو ملغا کر دیا ہے تقدیر کلام یہ ہوگی وظنوا انهم مالهم من محيص ولا مهرب یہ جملہ کہا جاتا ہے حاص، يحيص حيصا و محيصا جب وہ بھاگ جائے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہاں ظن، غالب رائے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اس میں انہیں کوئی شک نہیں کہ وہ جہنمی ہیں لیکن وہ یہ طمع کرتے ہیں کہ اس سے نکل جائیں گے، یہ کوئی بعید نہیں کہ ان کا ظن اور رجا ان کے مایوس ہونے تک رہے۔

لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ ۫ وَ اِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَـُٔوْسٌ قَنُوْطٌ ﴿۴۹﴾ وَ لَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ۙ وَ مَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّ لَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْۤ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ۫ وَ لَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۰﴾ وَ اِذَاۤ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَ نَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ﴿۵۱﴾

”نہیں اکتاتا انسان بھلائی کی دعا کرنے سے اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو بالکل مایوس اور نا امید ہو جاتا ہے۔ اور اگر ہم چکھائیں اسے رحمت اپنی جانب سے اس تکلیف کے بعد جو اسے پہنچتی ہے تو کہتا ہے: میں اسی کا مستحق ہوں اور میں نہیں خیال کرتا کہ قیامت برپا ہوگی اور اگر میں لوٹایا گیا اپنے رب کی طرف تو یقیناً میرے لیے اس کے پاس بھی اکرام ہی اکرام ہوگا (یہ احمق کیا سوچ رہے ہیں) ہم تو آگاہ کریں گے کافروں کو جو کرتوت انہوں نے کیے اور ہم ضرور چکھائیں گے انہیں سخت عذاب۔ اور جب ہم احسان فرماتے ہیں انسان پر تو وہ (تکبر سے) منہ پھیر لیتا ہے اور پہلو تہی کرنے لگتا ہے اور جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگتا ہے“۔

لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ بھلائی کی دعا کرنے سے نہیں اکتاتا۔ یہاں خیر سے مراد مال، صحت، غلبہ اور عزت ہے۔ سدی نے کہا: یہاں انسان سے مراد کافر ہے(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ولید بن مغیرہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عتبہ اور شیبہ جو ربیعہ کے بیٹے تھے اور ولید بن خلف۔ عبداللہ کی قراءت میں لا یسئام الانسان من دعاء المال ہے۔

وَ اِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ شر سے مراد فقر اور مرض ہے، اگر اسے فقر اور مرض پہنچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فَيَـُٔوْسٌ دعا کی قبولیت کے حوالے سے اور قنوط اپنے رب کے بارے میں سوء ظن کے حوالے سے ذکر کیا ایک قول یہ کیا گیا ہے: فَيَـُٔوْسٌ سے مراد ہے کہ اسے جو تکلیف لاحق ہے اس کے زائل ہونے سے مایوس ہے اور

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 188

قنوط اس معنی میں ذکر کیا کہ یہ تکلیف ہمیشہ رہے گی۔ معنی قریب قریب ہے۔

وَ لَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا یہاں رحمت سے مراد عاقبت، آسودگی اور غنا ہے۔ ضراء سے مراد تکلیف، بیماری، سختی، اور فقر ہے لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ یہ وہ چیز ہے جس کا میں اللہ تعالیٰ کے ہاں مستحق بن چکا ہوں کیونکہ وہ میرے لیے عمل پر راضی ہو چکا ہے تو وہ نعمت کو حتمی اور اللہ تعالیٰ پر واجب خیال کرتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: هٰذَا لِيْ کا معنی ہے یہ میرے پاس ہے۔

وَ مَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآىِٕمَةً ۙ وَّ لَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْۤ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى حسنی سے مراد جنت ہے اور لام تاکید کے لیے ہے وہ عمل کے بغیر آرزوئیں کرتا ہے حضرت حسن بن محمد بن علی بن ابی طالب نے کہا: کافر کی دو آرزوئیں ہونگی جہاں تک دنیاوی آرزو کا تعلق ہے وہ کہے گا: لَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْۤ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ اور آخرت کے بارے میں کہے گا: يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَ لَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَ نَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷﴾ (الانعام) اور يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾ (النباء)

فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ہم ضرور انہیں جزا دیں گے۔ یہ قسم ہے، اللہ تعالیٰ نے اس پر قسم اٹھائی ہے۔ غلیظ کا معنی شدید ہے۔

وَ اِذَاۤ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ انسان سے مراد کافر ہے اَعْرَضَ وَ نَاٰ بِجَانِبِهٖ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور امیہ بن خلف ہیں جنہوں نے اسلام سے اعراض کیا اور اس سے دور ہوئے نَاٰ بِجَانِبِهٖ کا معنی ہے حق کی اطاعت کرنے سے اپنے آپ کو بلند جانا اور اللہ تعالیٰ کے انبیاء پر تکبر کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نَاٰ کا معنی دور ہونا ہے۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: نأیته ونأیت عنه نأیا۔ میں اس سے دور ہوا أنأیته فانتأی میں نے اسے دور کیا تو وہ دور ہو گیا۔ تناء وا۔ وہ دور ہو گئے منتأی۔ دور جگہ۔ نابغہ نے کہا:

فَاِنَّكَ كَاللَّيْلِ الَّذِي هُوَ مُدْرِكِي ۔۔۔ وَاِنْ خِلْتُ اَنَّ الْمُنْتَأى عَنْكَ وَاسِعٌ

تو رات کی طرح ہے جو مجھے پانے والی ہے اگرچہ میں خیال کرتا تھا کہ تجھ سے دوری بہت وسیع ہے۔

یزید بن قعقاع نے اسے ناء بجانبہ پڑھا ہے یعنی ہمزہ سے پہلے الف ہے یہ بھی جائز ہے کہ یہ ناء سے مشتق ہو جب وہ اٹھے۔ یہ بھی جائز ہے کہ ہمزہ قلب کیا گیا ہو معنی پہلے والا ہی ہے وَ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ﴿۵۱﴾ جب اسے تکلیف پہنچے تو بہت زیادہ دعائیں کرتا ہے۔ عرب طول اور عرض کا لفظ کثرت کے معنی میں استعمال کرتا ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: اطال فلان فی الکلام واعرض فی الدعاء؛ جب وہ گفتگو اور دعا کثرت سے کرے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: وہ تضرع کرنے والا اور مدد طلب کرنے والا ہے۔ کافر مصیبت میں اپنے رب کو پہچانتا ہے اور خوشحالی میں اسے نہیں پہچانتا۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَ فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ اَوَ لَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۵۳﴾ اَلَاۤ اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ ؕ اَلَاۤ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ﴿۵۴﴾

"آپ فرمائیے: (اے کافرو!) تم مجھے بتاؤ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہو پھر تم اس کا انکار کرو تو کون زیادہ گمراہ ہے اس سے جو اختلاف میں بہت زیادہ دور نکل گیا ہو۔ ہم دکھائیں گے انہیں اپنی نشانیاں آفاق (عالم) میں اور ان کے نفسوں میں تا کہ ان پر واضح ہو جائے کہ قرآن واقعی حق ہے، کیا یہ کافی نہیں کہ آپ کا رب ہر چیز پر گواہ ہے سنو! یہ لوگ شک میں مبتلا ہیں اپنے رب سے ملنے کے بارے میں یاد رکھو! وہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے"۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم کہو: اے مشرکو! اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کے پاس سے ہو پھر تم اس کا انکار کرو تو زیادہ گمراہ کون ہے تم سے زیادہ گمراہ کوئی نہیں کیونکہ تمہاری دشمنی بہت زیادہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اِنْ کَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ میں ضمیر اسی کتاب کی طرف لوٹ رہی ہے جس کا ذکر اس فرمان میں ہے: اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ (المومنون: 49) پہلا معنی زیادہ واضح ہے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْۤ اَنْفُسِهِمْ ہماری وحدانیت اور ہماری قدرت کی نشانیاں سابقہ امتوں کی منازل کی بربادی میں ہیں اور ان کی ذاتوں یعنی جو انہیں آزمائشیں اور امراض لاحق ہوتی ہیں ایک قول یہ کیا گیا ہے: فِی الْاٰفَاقِ سے مراد آسمان کی نشانیاں اور فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ سے مراد زمین کے حادثات ہیں (1)۔ مجاہد نے کہا: فِی الْاٰفَاقِ سے مراد بستیوں کی فتوحات ہیں (2)۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی فتوحات کو اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے بعد خلفاء اور آفاق دنیا میں اس کے دین کے مددگاروں کے لیے فتوحات کو مشرق و مغرب کے علاقوں کو عموماً اور مغرب کے علاقوں کو خصوصاً آسان کر دیا کیونکہ یہ ایسی فتوحات ہیں جو ان سے قبل زمین کے کسی حاکم کے لیے آسان نہ ہوئیں اس طرح جابر حکمرانوں، فارس کے کسریٰ تھوڑے لشکر کو کثیر لشکر پر فتح دینا، کمزوروں کو قوی لوگوں پر غلبہ دینا اور ان سے ایسے امور کا صادر کرانا جو عام معمول سے ہٹ کر تھے سب صادر ہوئے فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ سے مراد فتح مکہ ہے؛ (3) یہ طبری کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے یہ منہال بن عمرو اور سدی کا قول ہے۔ قتادہ اور ضحاک نے کہا: فِی الْاٰفَاقِ سے مراد قوموں میں واقعات اور فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ سے مراد غزوہ بدر کا واقعہ ہے (4)۔ عطا اور ابن زید نے یہ بھی کہا ہے کہ فِی الْاٰفَاقِ سے مراد آسمانوں اور زمین کے قطر ہیں یعنی سورج، چاند، ستارے، رات، دن، ہوائیں، بارشیں، کڑک، بجلی، صواعق، نبات، درخت، پہاڑ، سمندر وغیرہ (5)۔ صحاح میں ہے: آفاق سے مراد اطراف ہیں اس کا واحد اُفْق اور اُفُق ہے جس طرح عُسْر اور عُسُر ہے رجل اَفَقِیّ یعنی ہمزہ اور فا مفتوح ہے جب وہ زمین کے آفاق سے ہو: یہ ابونصر نے حکایت بیان کی ہے۔ بعض کہتے ہیں اُفُقی جوہری کے علاوہ کسی اور نے یہ شعر پڑھا:

أَخَذْنَا بِآفَاقِ السَّمَاءِ عَلَيْكُمُ　لَنَا قَمَرَاهَا وَالنُّجُومُ الطَّوَالِعُ (6)

ہم نے تمہارے خلاف آسمان کے افق اپنے ہاتھ میں لے لیے ہیں ہمارے لیے اس کے دونوں چاند اور روشن ستارے ہیں۔

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 106　2۔ ایضاً　3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 189
4۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 106　5۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 72　6۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 136

فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ یہ لطیف صنعت اور بدیع حکمت میں سے ہے یہاں تک کہ براز اور بول کے راستے اس میں شامل ہیں کیونکہ انسان ایک محل سے کھاتا پیتا ہے اور وہ کھانا پینا دو الگ الگ جگہوں سے نکلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صنعت اور حکمت میں بداعت اس کی آنکھوں میں نمایاں ہوتی ہے دونوں پانی کا ایک قطرہ ہیں وہ ان دونوں کے ساتھ زمین سے آسمان تک دیکھتا ہے جس کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے، اس کے دونوں کانوں کے درمیان میں بداعت کا اظہار ہے جن کے ساتھ انسان مختلف آوازوں میں فرق کرتا ہے اس کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت کی بداعت کی امثلہ ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وہ نطفہ تھا اس کے علاوہ اس کے احوال میں جو انتقال ہے جس طرح سورۂ مومنوں میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے عنقریب تم وہ فتنے اور غیب کی خبریں دیکھو گے جن کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبریں دی ہیں۔ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ اس میں چار وجوہ ہیں: (1) وہ قرآن ہے (2) اسلام جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں (3) اللہ تعالیٰ جو مظاہر انہیں دکھاتا ہے اور جو کرتا ہے وہ حق ہے (4) محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء ہی رسول برحق ہیں۔

اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ، بربک محل رفع میں ہے کیونکہ یہ يَكْفِ کا فاعل ہے اَنَّهٗ، ربک سے بدل ہے اگر محل سے بدل بنائیں تو یہ مرفوع ہوگا اگر لفظ سے بدل بنائیں تو یہ مجرور ہوگا۔ یہ بھی جائز ہے کہ لام کے حذف کے ساتھ منصوب ہو معنی ہوگا کیا تیرا رب انہیں کافی نہیں ہوگا جس توحید پر اس نے ان کی راہنمائی کی ہے، کیونکہ وہ ہر شے پر شہید ہے جب وہ ہر چیز کا مشاہدہ کر رہا ہے تو اس پر جزا دے گا۔ یہ قول کیا گیا ہے: کیا تیرا رب کفار کو سزا دینے میں کافی نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم کیا تیرا رب کافی نہیں کہ وہ کفار کے اعمال پر گواہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے کیا تیرا رب گواہ کافی نہیں کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیا یہ کافی نہیں کہ بندہ جو بھی عمل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے بہتر جانتا ہے۔ یہ لفظ شہادت سے مشتق ہے جس کا معنی حضور ہے کیا تیرا رب ہر چیز کے پاس حاضر ہونے کے اعتبار سے کافی نہیں۔

اَلَآ اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ، مریۃ کا معنی شک ہے مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ آخرت میں اپنے رب کی ملاقات سے۔ سدی نے کہا: بعث سے۔ خبردار! وہ اپنے رب کی ملاقات سے شک میں مبتلا ہیں (1) اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ۝ اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے؛ سدی نے یہ قول کیا۔ کلبی نے کہا: اس کی قدرت ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے (2)۔ خطابی نے کہا: اس کی قدرت تمام مخلوق کا احاطہ کیے ہوئے ہے وہی ذات پاک ہے جس نے ہر چیز کا اپنے علم سے احاطہ کیا ہوا ہے اور ہر چیز کا شمار کر رکھا ہے، یہ اسم تشیر طور پر وعید کے ضمن میں آتا ہے اس کا حقیقی معنی ہر شے کا احاطہ کرنا ہے جس کا احاطہ کیا ہوا ہے اس کو جڑ سے اکھیڑنا ہے یہ اصل میں مُحْيِط تھا یاء کی حرکت حاء کی طرف نقل کر دی تو یاء ساکن ہوگئی اسی سے یہ کہا جاتا ہے: أحاط يُحيط إحاطة وحيطة۔ اسی سے حائط الدار (گھر کی دیوار) ہے حاطت الخیل بفلان یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب اس آدمی کو ہر جانب سے گھیر لیا جائے اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ (کہف: 42) اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 190 2۔ ایضاً